188846

٩٢٢٤٩٦١
ج - ١

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_188846

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. 922.971 / ۹۲۲۵۹۷۱ Accession No. ۱۳۰۵۶ 13056

Author ج - محمد ریاض الحق

Title محبوب خدا

This book should be returned on or before the date last marked below.

محبوبِ خدا

صلی اللہ علیہ وسلم

افضل حق

تاج کمپنی لمیٹڈ ریلوے روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گذارش احوال

اعتراف عظمت کے لئے بھی باعظمت انسان ہونا ضروری ہے۔ مَیں نے مصر کی روائتی بڑھیا کی طرح یُوسف کی خریداری کا کئی بار عزم کیا۔ یعنی چاہا کہ ماہِ عرب کی سیرت لکھوں۔ لیکن مداح اور ممدوح میں ذرّہ اور آفتاب کا فرق پاکر ہر بار ہمت ہار دی۔ جب میں اس دفعہ گرفتار ہو کر لاہور سنٹرل جیل میں آیا تو طبیعت نے تنہائی کا مشغلہ تلاش کرنا شروع کیا۔ ابھی کچھ فیصلہ نہ کرنے پایا تھا کہ میرا تبادلہ لاہور سے ملتان نیو سنٹرل جیل ہو گیا۔ چند ہی روز میں میری روح میں خوشگوار انقلاب پیدا ہو گیا۔ مجھے ایامِ اسیری یوں معلوم ہُوئے۔ گویا موسمِ بہار میں محرومِ محبت کے گھر میں محبوب اچانک آ گیا ہو۔ اور وہ استقبال کی خوشی اور دیدار کی مسرت میں اِدھر اُدھر پھر رہا ہو۔ انہی کیفیتوں میں مَیں نے جیل کے ساتھیوں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا سید محمد داؤد غزنوی مولانا مظہر علی

صاحب آظہر اور مولانا عبدالرحمن نکودری کے ایما پر اس کتاب کو شروع کیا۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد پھر میرا تبادلہ ملتان سے راولپنڈی جیل ہوگیا۔ قدرت کو منظور تھا کہ میں یہاں کے دوستوں کو چھوڑ کر ایک اور غریب الوطن قیدی کا انیس تنہائی بنوں۔

راولپنڈی جیل میں ایک بم ساز اور بم باز بنگالی نوجوان ڈاکٹر بوس ۷۵ سال کی لمبی قید کاٹ رہا تھا۔ وہ نوجوان تھا لیکن علم اور ایثار میں اپنا جواب آپ تھا۔ وہ وطنِ عزیز کی غلامی کا ذکر جس جذبے سے کرتا تھا۔ اس کی داد دینے کے لئے موزوں الفاظ نہیں ہیں۔ اُسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح حیات سے بڑا شغف تھا۔ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر متعدد انگریزی کتابیں اس کے پاس ہر وقت موجود رہتی تھیں۔ مجھے اس کے ذخیرۂ کتب سے بہت ہی فائدہ پہنچا۔ علاوہ ازیں سیرت النبی مصنفہ مولانا شبلی نعمانی ہر وقت پیشِ نظر رہی۔ عربی عبارتوں کے تراجم اس کتاب سے ماخوذ ہیں۔

محبت ضابطوں کی پابند نہیں ہوتی اور اکثر اوقات ادب و احترام کی حدود بے خبری میں نظر انداز ہو جاتی ہیں میں نے شوقِ محبت کے باوجود انتخابِ الفاظ میں احتیاط برتی ہے۔ اور کہیں بے احتیاطی برتی گئی ہو تو مجھے اطلاع دی جائے تاکہ دوسرے ایڈیشن میں تصحیح ہو سکے۔

افضل حق

دیارِ حبیبؐ

ذکرِ حبیبؐ سے پہلے دیارِ حبیبؐ کا مذکورِ تقریبِ سخن کے طور پر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ عقیدت مند آنکھ خاکِ عرب کو جب محبّت بھری نظروں سے دیکھتی ہے تو یثرب و بطحا کا ہر ذرّہ آفتابِ جہاں تاب بن کر چمکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ فرشتے نبیؐ کے مولد و مدفن پر نور کے روشن طبق لے کر اُترتے ہیں اور مکہ و مدینہ کی گلیاں ضیا پاشیوں سے بقعۂ نور بن گئی ہیں۔ عرب جو روحانیوں کی نگاہ میں ہزار حسن اور لاکھ جلووں کی جنّت گاہ ہے، چشمِ دنیا دار اس کے نظارۂ طائرہ سے گھبرا اٹھتی ہے۔ اور زبان پکار کر کہتی ہے کہ عرب تو سرتا سر صحرا ہے، جہاں تپتی ریت سے آتش زبان بگولے اُٹھتے ہیں اور زہریلی ہوائیں جھکّڑ بن کر چلتی ہیں۔ کوہستانی سلسلے جو دوسری جگہ ہمیشہ روح افزا اور نظر افروز ہوتے ہیں، یہاں چٹیل پہاڑیاں بن کر رہ جاتے ہیں۔ پانی کی نایابی انسانی آبادی کے لیئے مشکلات پیدا کرتی ہے۔ لو کی لپیٹ میں کھجوروں کے سوا کوئی درخت

سرسبز نہیں ہوتا۔ ہاں سمندر کے کنارے کچھ جاں پرور سرسبزی و شادابی دکھائی دیتی ہے۔ جہاں آوارہ و سرگرداں قبائل ڈیرے ڈال دیتے ہیں کہیں کہیں چھوٹی چھوٹی بستیاں بھی ہیں۔ ان کی کھیتی باڑی کی ساری امید باران رحمت پر ہے۔ وقت پر برس گیا تو جنگل میں منگل، ورنہ انتظار ہی میں موسم ختم ہو جاتا ہے۔

ملکِ عرب محلِ وقوع کے لحاظ سے ایشیا کا جنوبی خطہ ہے۔ شکل کے لحاظ سے مستطیل جنوب میں زیادہ شمال میں کم۔ اس کے مغرب میں بحیرۂ قلزم، مشرق میں خلیج فارس اور بحیرۂ عمان، جنوب میں بحرِ ہند اور شمال میں ملکِ شام ہے۔ اس خطے کا مجموعی رقبہ تقریباً بارہ لاکھ مربع میل ہے۔

عرب دنیا سے تقریباً بالکل جدا اور اس کے ملکی حالات دوسرے ملکوں سے بالکل مختلف ہیں۔ اس کے گرد پانی کے قلزم اور اندر ریت کے سمندر۔ اس میں نہ سیاح کے لیے کوئی دلچسپی ہے نہ فاتح کے لیے کوئی کشش۔ ضروریاتِ زندگی کی کمیابی اور اوقات کی فراغت نے ہر عرب کو شاعر، شجاع اور شوریدہ سر عاشق بنا رکھا تھا۔ مشاغل کی کمی کی وجہ سے ان وسیع فرصتوں کو گذارنے کا طریقہ اور ہو بھی کیا سکتا تھا۔ شاعر مضامین کے دریا سے موتی نکال نکال کر وقت گذارتا۔ بہادر خون کی ہولی کھیلنے میں عمر کھوتا۔ اور عاشق کسی آہوئے صحرا کے خیال میں صبح سے شام کر دیتا۔ دنیا کے بیکاروں کے لیے یہی اہم کام ہیں جو عمر کھو کر بھی

انجام نہیں پاتے۔ علم جو اصلی جوہر ہے اِس سے تمام عرب محروم تھا۔ تمام آبادی نوشت وخواند سے بے بہرہ تھی۔ ہاں شاعروں نے عربی زبان کے جوہر خوب چمکائے۔ چونکہ قبیلے قبیلے میں شاعر موجود تھا اس لیئے ہر کہ ومہ کی زبان ایسی منجھ گئی کہ اہلِ عرب فصاحت میں اوروں کو اپنا ہمسر نہ سمجھتے تھے۔ اور اپنی بلاغت کی بنا پر باقی دنیا کو "عجم" یعنی گنگ کہتے تھے۔

عرب کی شاعری کی کل کائنات فخرِ نسب، اظہارِ عشق اور اعلانِ جنگ تھی۔ ان کے تخیّل کی پرواز قصائد رجز اور غزل کی محدود دنیا سے بلند نہ ہوتی تھی۔ ان کا جذبۂ خودستائی اپنے یا اپنے قبیلے کے کارہائے نمایاں بیان کرتے وقت شریفانہ جذبات اور پاک اخلاق کا حامل نہ ہوتا تھا۔ بلکہ اکثر اوقات عورتوں کی عصمت بگاڑنے، ڈاکہ ڈالنے اور ظلم کرنے پر بھی فخر کیا جاتا تھا۔ عوام کی بدذوقی کا یہ عالم تھا کہ اخلاقِ ذمیمہ کی اس علانیہ تبلیغ پر بھی شاعر کی گرمیٔ سخن کی داد دیتے اور واہ واہ کرتے تھے۔

بے شک عرب جنگجو اور شجاع تھے۔ مگر جنگ وجدال کے محرّکات عموماً رذیل احساسات ہوا کرتے تھے۔ بعض اوقات تو قبائل میں وجہ جنگ موجود بھی نہ ہوتی تھی۔ مگر جنگ جاری رہتی تھی۔ کبھی کھڑے کھڑے کسی ادنیٰ سی بات پر دو دوست بگڑ جاتے اور تلواریں سونت کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ اور مدد کے لیئے اپنے اپنے قبیلوں کو پکارتے تھے۔ جو سنتا تھا شمشیرِ برہنہ عَلم کیئے شریکِ جنگ ہوجاتا تھا۔ کوئی

پوچھنا نہ تھا کہ وجہ نزاع کیا ہے؟

مخلوق کی محبت خدا کی رحمت ہے۔ مگر جب محبت کی بے پایانی کو محدود کر کے کسی فردِ واحد میں مرکوز کر دیا جاتے اور اِس حد بندی کی محرک شہوت ہو تو عصمت اور پاکبازی سر پیٹ لیتی ہے۔ عشق و عاشقی کو جب جوانی کی بے قیدی اور بے عنانی کے سپرد کر دیا جائے تو درِ فتنہ باز ہو جاتا ہے۔ اور اس کا ماحصل خسر الدنیا والآخرۃ ہوتا ہے۔ اہلِ عرب کے عشق کی وارفتگیاں محبوب کے محاسن کی گرویدگی تک محدود نہ تھیں۔ بلکہ یہ لوگ عورت سے التفات کے شجرِ ممنوعہ کے حاصل کرنے کا علانیہ حلف لینے اور خواہشاتِ نفسانی پر فخر کیا کرتے تھے۔ ہو نہ ہو ان عشاق کے معیارِ شرافت سے گرے ہوئے افعال و اقوال سے پناہ نہ پا کر بعض عاقبت نااندیش، خدا ناترس اور بزعمِ خویش خود دار افراد نے دختر کشی کی ابتدا کی ہوگی۔ کیونکہ اگر عشق اک طرف یوں بے باک تھا تو دوسری طرف حسن بے حجاب ہر وقت سیاہ کاری کے دامن میں پناہ پانے کے لیے آمادہ تھا۔ میلوں میں بے نقاب عورتوں کی نگاہیں فتنے اُٹھاتی تھیں اور ان کی مسکراہٹ بجلیاں گراتی تھی۔ غرض عشق، شاعری اور شجاعت جو جذبۂ عالیہ کے ساتھ مل کر قوموں کی قسمت کو بدل سکتے ہیں، ان میں موجود تو تھے مگر رذیل اخلاق سے مل کر ان کی تباہی کا باعث بن چکے تھے۔

اہلِ عرب اِن عیوب کے ساتھ کچھ خوبیاں بھی رکھتے تھے شجاعت

اور سخاوت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ تلوار کا دھنی اکثر دل کا غنی ہوتا ہے
اس لیئے اہل عرب مہمان نواز اور سخی تھے۔ جس کسی کو اپنی پناہ میں لیتے
اس کی جان و دل سے حفاظت کرتے تھے۔

اہل عرب کے اخلاق کسی آسمانی کتاب سے ماخوذ نہ تھے اور نہ اُن کے اعمال کسی قانون پر موقوف تھے۔ ان کے اوضاع و اطوار کو ملک کی آب و ہوا نے بے ساختہ طور پر معیّن و مرتّب کر دیا تھا۔ ان کی عقیدت کا مرجع خدائے نادیدہ نہ تھا۔ بلکہ شرفِ انسانی مٹی کی مورتوں اور پتھر کے تراشے ہوئے بتوں کے قدموں میں سربسجود تھا۔ بت پرستی، خدا پرستی کی بگڑی ہوئی صورت ہے۔ شیطان نے توحید پر دو طرف سے حملہ کیا ہے۔ ایک تو محبّت اور عقیدت کا حیلہ تلاش کیا۔ دوسرے گناہوں سے مضمحل اور چور چور روح کے کان میں افسوں پھونکا کہ انسان فطرتاً کمزور ہے نجات کی راہ کسی وسیلہ کے بغیر نہ ملے گی۔ چنانچہ گناہوں سے آلودہ لوگ نیک بندوں کی عظمت کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ پھر ان نیک انسانوں کی محبت کی وسیع اور رنگین وادی میں اس طرح کھو جاتے ہیں کہ اس سے نکلنا بھی چاہیں تو نہیں نکل سکتے۔

جس طرح نشۂ شراب سے سرشار پیادہ سوار کا حکم رکھتا ہے۔ اسی طرح بادۂ عقیدت کا مخمور بھی بہت اونچی فضا میں اُڑتا ہے۔ اس کی عقیدت کا مقام اتنا بلند اور وسعت اتنی ہمہ گیر ہوتی ہے کہ کل کائنات اک ذرۂ خاک دکھائی دیتی ہے۔ عقیدت کی یہ ہمہ گیری خدا کی بے پایاں عظمت کو بھی

آغوش میں لینے کی سعی کرتی ہے۔ وہ اس طرح کہ انسان جس سے عقیدت رکھتا ہے پہلے تو وہ اُس کو خدا کا مقرب اور حاشیہ نشین تصوّر کرتا ہے اور کبھی خالق کے مزاج میں دخیل خیال کرتا ہے اور کبھی کبھی اپنے محبوب کو معبود سے بھی بلند پاتا ہے۔

دنیا ہمیشہ سے محبّت اور عقیدت کی برپاکردہ تاریکیوں میں گھری رہی ہے۔ ہادیانِ برحق نورانی شریعتوں کے ساتھ دنیا میں آئے تاکہ پرستش غیر اللہ کی ضلالت سے انسانوں کو نکالیں۔ مگر عوام کو تو اپنے جذبۂ عقیدت کی تسکین کے لیئے کوئی پیکرِ محسوس چاہیئے۔ اس لیئے بتوں کی مذمت کرنے والے نیک لوگ موت کے بعد خود بتوں کی طرح پوجے گئے۔

گناہگار انسان آلودگیوں کی وجہ سے خدا کی بخششوں سے مایوس ہو جاتا ہے۔ اس لیئے کسی واسطہ اور وسیلہ کے طفیل خدا کے غضب سے بچنا چاہتا ہے مجبوراً خدا کا قیاس امرا اور سلاطین پر کرتا ہے۔ جو نبض شناس وزرا اور ہوشیار مشیروں کے ہاتھ میں موم کی ناک ہوتے ہیں۔ چنانچہ مشرک جہلا کی بڑی دلیل یہی ہے کہ جب حکام کے دربار میں وسیلے اور سفارش کے بغیر کام نہیں نکلتا تو خدا کے حضور میں انسانی سفارشوں کے بغیر کیونکر بار مل سکتا ہے۔ دنیا میں بہت تھوڑے سے لوگ ایسے ہیں جنہیں خدا کی ہستی سے انکار ہو۔ ہاں ایسے لوگوں کی کثرت ہے، جو خدا کے وجود کا اقرار تو کرتے ہیں لیکن ان کے اقرار کا انداز کفر و انکار سے بدتر ہوتا ہے۔ کیونکہ عقلِ انسانی باری تعالےٰ کی صفات سمجھنے میں ٹھوکر کھا جاتی ہے۔ چنانچہ مشرکین عرب میں

بھی بہت تھوڑے بتوں کو خدا سمجھتے تھے۔ اکثر ان کو شفیع اور حصولِ نجات کا وسیلہ خیال کرتے تھے۔ اس لیئے ان کی عقیدت مندی خدا کے خلاف تو ہزار صلواتوں کی متحمل ہو سکتی تھی۔ مگر وہ بتوں کے خلاف ایک لفظ سننے کے روادار نہ تھے۔

مٹی اور پتھر کے ان خداؤں اور شفیعوں کو عرب میں رواج دینے والا قبیلۂ خزاعہ کا ایک شخص عمرو نامی تھا۔ جو ملکِ شام میں گیا۔ اور ان حاجت رواؤں کو وہاں سے اٹھالایا۔ چند بت کعبہ کے آس پاس لاکر نصب کر دیئے۔ حرمِ کعبہ کی مرکزیت کے سبب بُت پرستی کی اشاعت عام ہوئی۔ ہر قبیلے نے اپنا اپنا بُت الگ تراشا۔ طائف کا قبیلہ ثقیف لات کو، اور خزرج اور اوس کے یثربی قبائل منات کو پوجنے لگے۔ مکہ کے قریش و کنانہ عزیٰ کے پرستار بنے۔ ہبل کا بت کعبے کی چھت پر نصب کیا گیا۔

بیشتر لوگوں کی عقل پر تو یوں پتھر پڑے ہوئے تھے۔ بعض حقیقت ناشناس لوگوں نے آفتاب اور ماہتاب کی چمک دمک دیکھ کر گمان کیا کہ خدا ان ہی خوبصورت روشن آنکھوں سے دنیا کو جھانکتا ہے۔ انہیں اس حقیقت کا احساس کہاں کہ کواکب کے تحیّر خیز حُسن کا پروردگار اور ہے۔ اور وہ حسینوں سے حسین اور اطہروں سے اطہر ہے۔ غرض اصنام پرستی اور مظاہر پرستی کی وبا جو رُبع مسکون پر پھیلی ہوئی تھی، عرب اس کی لپیٹ میں آچکا تھا تاہم بعثتِ نبوی سے پہلے شرک کی ان تاریکیوں میں کہیں کہیں توحیدِ خالص کی تنویر بھی دکھائی دینے لگی تھی۔ کچھ جادہ شناس اور حقیقت طلب لوگ ایسے

بھی تھے۔ جو جمادِ لاعقل کے سامنے سربسجود ہونے کو شرفِ انسانی کے دامن پر بدنما داغ سمجھتے تھے۔ ان میں سے ورقہ بن نوفل۔ عبداللہ بن جحش عثمان بن الحویرث اور زید بن عمرو مکہ کے باشندے تھے۔ ان کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی ایسے لوگ موجود تھے۔ جو پکے موحّد اور شرک سے مجتنب تھے۔ ان طالبانِ حقیقت میں دو ایسے عارفانِ عالی مقام تھے۔ جو مطلع اسلام پر آفتاب اور ماہتاب ہو کر چمکے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت ابوذر غفاریؓ کی ارواحِ سعیدہ بعثت سے پہلے نہ صرف ذاتِ باری تعالیٰ پر پورا ایمان رکھتی تھیں۔ بلکہ مہرِ سپہرِ نبوّت، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں تھیں کہ کب وہ آفتاب طلوع ہو اور ہم مزید روشنی حاصل کریں۔

مکّہ جس کا اصل نام بکّہ ہے۔ ساحل سمندر سے ساٹھ میل دور پہاڑیوں میں محفوظ مقام ہے۔ خدا سے حکم پاکر اس جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے خدا کا سادہ سا گھر تعمیر کیا۔ تاکہ لوگ عبادت کے لیئے جمع ہوں۔ اس گھر کی نہ چھت نہ دروازہ نہ دہلیز تھی۔ اس ارضِ پاک کی چار دیواری بلندی میں نو، طول میں تیئیس اور عرض میں بائیس گنہ تھی۔ اس برکت والے گھر کی کشش دور و نزدیک سے لوگوں کو کھینچ لائی اور پاک لوگوں کی ایک چھوٹی سی بستی آباد ہوگئی۔ جو پاسِ ادب سے اس کے ارد گرد عمارت نہ بناتے تھے۔ صرف خیموں میں ہی بسر اوقات کیا کرتے تھے۔ مکّہ میں سب سے پہلی عمارت ایک شخص سعد یا سعید بن عمر نے بنائی۔ سب

سے پہلے یمن کے حمیری بادشاہ اسعد تبع نے حرم کعبہ پر غلاف چڑھایا۔

انقلاب عالم کی نیرنگیاں دیکھو۔ حرم کعبہ جس کی بنیاد دنیا کے مشہور بت شکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ڈالی۔ اب اس ارض پاک میں تین سو ساٹھ بتوں نے اپنا اکھاڑا جمالیا۔ ہُبل کا بزرگ بت جو سقف حرم پر نصب تھا خدائے قدوس کی عظمت و جلال کو چیلنج دینے لگا۔ ان کے پوجنے والے گلزار ابراہیمی کے وہ نہال ہیں۔ جو گل توحید بنے رہنے کے بجائے چشم کعبہ میں خار شرک ہو کر کھٹکنے لگے۔ خانۂ خدا کے ان دو پاک معماروں یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السّلام کو کیا خبر تھی کہ خدا کے اس گھر میں کبھی بتوں کی خدائی ہوگی۔ اور خود انہیں کی اولاد مٹّی کی مورتیوں کے سامنے جھک جائے گی۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی ساٹھ پشتیں گذریں۔ تو اس شرک و کفر کے خزاں دیدہ شہر میں پھر بہار آئی۔ مکّہ جو مشرکوں کا مرکز بن گیا تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مولد بنا۔ نئے سرے سے خدائے واحد کا گھر قرار پایا اور اس طرح اسلام کا مسکن بن گیا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کے بارہ بیٹوں میں سے ایک قیدار تھے۔ جن کی نسل حجاز میں پھلی پھولی۔ ان ہی کی اولاد میں عدنان تھے۔ اس خاندان کے شجر کا بہترین میوہ آں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے حضور کا سلسلہ نسب اس طرح پر ہے:-

محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب

بن مرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان۔

عدنان کی نویں پشت میں نضر بن کنانہ ہیں۔ جو قریش کے مُورث معروف ہیں۔ ان کی اولاد میں قصی ہوئے ہیں جنہوں نے دارالندوہ کی بنیاد ڈالی۔ اور کعبہ کے متولی قرار پائے۔ ان ہی کی تولیت میں حرم کے مختلف مناصب قائم ہوئے۔ قصی کے چھ بیٹے ہوئے۔ عبدالدار۔ عبدمناف۔ عبدالعزیٰ۔ عبد بن قصی۔ تخمر۔ برہ۔ ان میں عبدالدار عمر میں بڑا عقل میں کم تھا۔ اس لیئے قصی کے دنیا سے کوچ کرنے کے بعد حرم کی تولیت کا منصب عبدالدار کو ملا اور ریاست عبد مناف نے سنبھالی عبد مناف کے چھ بیٹوں میں سے ہاشم صاحب حشم اور سیر چشم تھے۔ اُنھوں نے عبدالدار کے خاندان سے سقایہ اور رفادہ کے مناصب حاصل کر کے حجاج کو آرام پہنچایا۔ قیصر روم اور شاہ حبشہ سے قریش کے مال تجارت کو محصول سے مستثنےٰ کرایا۔ قبائل میں بھاگ دوڑ کر کے قافلوں کی حفاظت کے حلف لیئے۔ ہاشم جب تجارت کی غرض سے شام گیا۔ تو واپسی پر مدینہ ٹھہرا۔ اتفاق سے وہاں سالانہ میلے پر ایک حسین عورت نظر آئی۔ جو چندے آفتاب اور چندے ماہتاب تھی۔ جس کی آنکھوں سے حیا ٹپکتی تھی اور اور ماتھے پر اقبال چمکتا تھا۔ بنو نجار کی اس بی بی کا نام سلمیٰ تھا۔ ہاشم نے بنو نجار سے شادی کی درخواست کی جو قبول کر لی گئی۔ سلمیٰ کے بطن سے عبدالمطلب پیدا ہوئے۔ عبدالمطلب کے دس بیٹوں میں سے پانچ نے

اپنے کفر یا اسلام کی وجہ سے عزت یا ذلت پائی۔ ابولہب نے حسن کی دولت پائی مگر ایمان سے بے بہرہ مرا۔ ابوطالب نے مرتے دم تک محمدؐ رسول اللہ کی محبت سے منہ نہ موڑا۔ حمزہ۔ عباس رضی اللہ عنہما مشرف باسلام ہوئے عبداللہ کی عمر نے وفا نہ کی مگر دنیا میں وہ گنج گرانمایہ بطور یادگار چھوڑا جو احمدؐ اور محمدؐ کے نام سے چہار دانگ عالم میں مشہور ہوئے۔

طوالت کے اندیشہ سے یہ حکایت عرب کے مذاہب اور تمدن کی اس مختصر سی روئداد پر ختم کی جاتی ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ عجم کی حالت عرب سے بہتر تھی۔ اس زمانہ کی تاریخ کے اوراق الٹ پلٹ کر دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ عصیان کے طوفان نے نہ صرف عرب کو گھیر رکھا تھا۔ بلکہ عجم کی حالت اس سے بدتر تھی۔ شیطان نے دنیا کے ہر گوشے میں دھما چوکڑی مچا رکھی تھی۔ زمین گناہوں کی آلودگیوں سے نالاں تھی۔ دل تو چاہتا ہے کہ اس زمانہ کے طغیان کی پوری تفصیل لکھی جائے مگر قلیل فرصت کسی داستان کی متحمّل نہیں۔ تاریخ کے طالب علم کو اس زمانہ کے حالات سے خود آگاہی حاصل کرنا چاہیئے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ آفتاب رسالت طلوع ہونے سے پہلے کس طرح نیکی معصیت کے دامن میں منہ چھپا چکی تھی۔

ایک منت

عبدالمطلب دس بیٹوں کا باپ تھا۔ شفقت پدری اس باغ دہبار کو دیکھ کر نہال تھی۔ دل آرزومند تھا کہ یہ نونہال پھیلیں پھولیں اور بارآور ہوں۔ چنانچہ باپ نے منت مانی کہ جب یہ نہال نورس پروان چڑھیں گے

تو اس پُر بہار گلزار کا ایک شگفتہ پھول خدا کی نذر کروں گا۔ جب دسوں لڑکے جوان ہوئے۔ تو منت پوری کرنے کا وقت آ گیا۔ عبدالمطلب بیٹوں کو لے کر کعبہ میں آئے۔ پجاری سے کہا۔ کہ قرعہ ڈالو جس کے نام پہ قرعہ نکلے وہی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔ خدا کی حکمت کہ محبوب نبی کے باپ عبداللہ کے نام قرعہ نکلا۔ چنانچہ باپ اسی محبوب درگاہ بیٹے کو قربان گاہ کی طرف لے چلا۔ بہنوں نے بھائی کی محبت میں رو رو کر ساون بھادوں کی جھڑی باندھ دی۔ کیا تعجب تھا کہ باپ کا عزم بیٹیوں کے آنسوؤں کی روانی میں بہ جاتا۔ یا بھائی کا دل بہنوں کے بین سُن کر بیٹھ جاتا۔ مگر ابراہیم اور اسحاق علیہما السلام کا ایثار پیش خاطر تھا۔ خلیل اللہ اور ذبیح اللہ کا خون رگوں میں دوڑ تا تھا۔ نہ باپ رُکا نہ بیٹا ہچکچایا۔ تاہم جب وہ قربان گاہ کی طرف بڑھے تو بزرگانِ قریش کے دل میں یہ خدشہ گذرا کہ کہیں بیٹوں کی قربانی خاندانی رسم نہ ہو جائے۔ برادری میں برابری کے دعوے کے بغیر ناک نہیں رہتی۔ جو کام آج عبدالمطلب کرے گا وہ کل سب کو کرنا ہوگا۔ چنانچہ عبدالمطلب پر زور دیا گیا۔ کہ عبداللہ کے عوض دس اونٹ قربان کر دیئے جائیں۔ عبداللہ اور دس اونٹوں پر قرعہ ڈالا گیا۔ پھر بھی قرعہ عبداللہ کے نام نکلا۔ آخر معاوضہ بڑھاتے بڑھاتے سَو اونٹ تک نوبت پہنچی۔ تو قرعہ اونٹوں پر جا کے نکلا۔ اِس طرح عبداللہ بچ گئے۔ اور فدیہ میں سو اونٹ قربان کیئے گئے۔

جب یہ مہنگی جنس اِس طرح سستی ہاتھ آئی تو رشتے کی تلاش ہوئی

قبیلہ زہرہ میں وہب بن عبدمناف کی صاحبزادی یعنی عالی نژاد آمنہ اور عبداللہ کے سنجوگ پر سب رضامند ہو گئے۔ چنانچہ سترہ برس کی عمر میں عبداللہ کا نکاح بی بی آمنہ سے ہو گیا۔ دستورِ عرب کے مطابق عبداللہ تین دن سسرال میں رہے۔ پھر گھر چلے آئے۔ قضا نے مکہ میں زیادہ ٹھہرنے نہ دیا عبداللہ تجارت کی غرض سے شام گئے۔ واپسی پہ مدینہ میں ٹھہرے۔ بیماری کا بہانہ ہوا۔ دراصل موت کا وقت آ گیا تھا۔ خاک کی چادر اوڑھ کر یہیں لیٹ گئے۔

مکہ عرب بھر کا مذہبی مرکز اور مرجعِ خلائق بنا ہوا تھا۔ یمن کے حبشی حاکم ابرہہ کو رشک ہوا۔ اس خیال سے کہ عقیدت یہیں کیوں طواف کرتی ہے۔ اور یقین مکّہ ہی میں کیوں سربسجود ہے۔ سخت بیقرار رہتا تھا۔ چنانچہ حرمِ کعبہ کے مقابلے میں یمن میں ہی ایک بڑا معبد بنایا۔ جو با وصف ہزار کوشش کے خانۂ خدا کا بدل نہ بن سکا۔ ایک حکومت کا غرور دوسرے تعصب کا جنوں، دونوں نے مل کر اس کی شرابِ نخوت کو دوآتشہ کر رکھا تھا۔ حرمِ کعبہ کو ڈھانے کی نیّت سے بے وقت کے بادل کی طرح گرجتا، کڑکتا ہوا اٹھا۔ ہاتھیوں کی فوج لے کر جھومتا جھامتا بڑھا اور کالی گھٹا کی طرح عرب پر چھا گیا۔ اہلِ مکّہ کی عظمت کا انحصار تو محض حرم کی برکت پر تھا۔ اس خبرِ وحشت اثر کو سن کر سب کا رنگ فق ہو گیا۔ ابرہہ کی باقاعدہ فوج سے مقابلہ کی تاب و تواں نہ تھی۔ حیران تھے کہ کیا کریں اور کس کی سفارش لائیں۔ اتنے میں لشکریوں نے شہریوں کے مویشی کو دولت خداداد سمجھ کر لوٹنا شروع کر دیا۔ اور کسی نے عبدالمطلب کے سواونٹ بھی ہتھیا

لیے۔ عبدالمطلب ابرہہ کے پاس پہنچے شکل و شباہت سے وجاہت ٹپکتی تھی۔ ابرہہ یہ سمجھا کہ عبدالمطلب اہلِ مکہ کے ایلچی ہیں۔ اور کوئی التجا لیکر آئے ہیں۔ اس لیئے بڑے تپاک سے ملا۔ اور عزت سے پاس بٹھایا عبدالمطلب نے چھوٹتے ہی سو اونٹوں کا قصہ چھیڑ دیا۔ ابرہہ عبدالمطلب کے مطالبہ پر حیران ہوا اور برافروختہ خاطر ہوکر بولا۔ کہ اے عبدالمطلب! تم اونٹوں کے طالب ہو۔ میں حرمِ کعبہ میں ہل چلانے آیا ہوں۔ عبدالمطلب نے کہا کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں مجھے ان کی فکر ہے۔ کعبہ کا مالک کعبہ کی خود فکر کرے گا۔ وہ غرور کے نشہ میں چور ان باتوں پر کب کان دھرتا تھا۔ فاسد نیت سے بڑھتا بڑھتا مکہ کے نواح میں آگیا۔ لوگ مقابلے کی تاب نہ لاسکے اور گھر بار چھوڑکر پہاڑوں میں پناہ گزین ہوگئے۔ مایوسیوں میں دعا ہی انسان کی آخری امید ہوتی ہے۔ عبدالمطلب نے غلافِ کعبہ تھام کر دعا کی کہ اے صاحبِ خانہ! ہم ناتوانوں میں مقابلہ کی تاب و تواں نہیں۔ اس لیے تو اپنے گھر کی حفاظت آپ ہی کر۔ کہتے ہیں کہ آسمان پر کچھ شور ہوا۔ نگاہیں اوپر کو اٹھ گئیں۔ سامنے ابابیل کا ٹڈی دل آسمان پر محیط دکھائی دیا۔ فضا سے لشکریوں پر کنکریوں کی بارش شروع ہوگئی دیکھتے دیکھتے دشمن خدا کے غضب کا شکار ہوا۔ ان کنکریوں کی تاب نہ لاکر لشکر درہم برہم ہوگیا۔ سورۂ فیل میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے کوتاہ اندیش عقل کو شک و انکار کا حق حاصل ہے۔ لیکن دنیا کے لاکھوں حوادث ایسے ہیں جن کی کنہ عقل کی دسترس سے باہر ہے۔

طلوع

وجدان نے چودہ سو سال کی اُلٹی زقند لگا کر پہلے زمانہ کے واقعات کو تخیّل کی نظر سے دیکھا۔ دنیا بداعمالیوں سے ظلمت کدہ بنی ہوئی تھی۔ کفر کی کالی گھٹا ہر طرف تلی کھڑی تھی۔ عصیان کی بجلیاں آسمان پر کوندتی تھیں۔ نیکی نفس کی طغیانیوں میں گھری ہوئی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ وہ راہ سے بھٹکی ہوئی آس اور یاس کی حالت میں اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی۔ کہ کہیں روشنی کی کرن پھوٹے اور اُسے سلامتی کی راہ مل جائے۔ وہ کفر کے اندھیرے میں ڈرتے ڈرتے قدم اُٹھا رہی تھی۔ دیکھو وہ چند قدم چل کر رُک گئی۔ سرِ راہ دو زانو ہو کر عالمِ یاس میں سینے پر ہاتھ باندھے گردن جھکائے مصروفِ دعا ہو گئی۔ اور نہایت عجز و الحاح سے بولی۔ اے نور و ظلمت کے پروردگار! میں غریب اس پرہول اندھیرے میں کب تک بھٹکتی پھروں۔ اے آقا! اپنے کرم سے اس نور کا ظہور کر۔ جو ظلمت کدۂ دہر کو منور کر دے۔ وہ نور پیدا کر۔ جو بے بصر کو طاقتِ دید بخشے۔ اس نے آمین آمین کہہ کر سر جھکایا۔ یک بیک اس کے دل میں خوشی کی لہر اُٹھی اور اس کے رخسار تو شگفتہ گلاب کی پنکھڑیوں کی طرح شاداب نظر آنے لگے۔ کیونکہ اسے قبولیتِ دعا کا القا ہو رہا تھا۔ پھر اس نے آہستہ آہستہ

ستاروں سے زیادہ روشن آنکھیں اُٹھائیں۔ کفر کی گھٹائیں چھٹ رہی تھیں۔ افقِ مشرق پر محبت کی کہانی سے زیادہ دلکش پو پھوٹ رہی تھی۔ آفتابِ ہدایت کے طلوع کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔

۲۰ اپریل ۵۷۱ء مطابق ۹ ربیع الاول دو شنبہ کی مبارک صبح کو قدسی آسمان پر جگہ جگہ سرگوشیوں میں مصروف تھے۔ کہ آج دعائے خلیل اور نویدِ مسیحا مجسم بن کر دنیا میں ظاہر ہو گی۔ حوریں جنت میں تزئینِ حسن کیے بیٹھی تھیں۔ کہ آج صبحِ کائنات کا غازہ نمودار ہو گا۔ جس کے عالمِ وجود میں آتے ہی شرک اور کفر کی ظلمت کافور ہو جائے گی۔ لوگ اپنے پروردگار کو پہچاننے لگیں گے۔ نسل و خون کے امتیاز کی لعنت مٹ جائے گی۔ غلام اور آقا ایک ہو جائیں گے۔ شبنم نے عالمِ ملکوت کی ان باتوں کو سُنا۔ اور یہ پیامِ مسرت کرۂ ارض کے کانوں تک پہنچا دیا۔ وہ خوشی سے کھِل گئے۔ کلیاں مسکرانے لگیں۔ دن کے دس بجے بی بی آمنہ کے بطن سے وہ لعلِ جہاں تاب پیدا ہوا۔ جس کے لیئے قعرِ ذلت میں گری ہوئی انسانیت کو اُٹھانا، غریب اور غلام کو بڑھانا، عورت کو مرد کے برابر کر دکھانا ازل سے مقدر ہو چکا تھا۔

وہ نومولود زچہ خانہ میں مسکرایا۔ اس کائناتِ ارضی کا ذکر کیا ہے۔ فضائے ملکوت میں بھی مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ کیونکہ دنیا کو سچی خوشی کا سبق اسی سے ملنے والا تھا۔ کفر سجدہ میں گر گیا۔ ادیانِ باطلہ کی نبضیں چھوٹ گئیں۔ عبداللہ کا بیٹا آمنہ کا جایا دنیا میں کیا آیا۔ دین و دنیا پر مستقل ترقی

کے نئے دروازے کھل گئے۔ کائنات کی خوابیدہ قوتیں بیدار ہوکر مصروف عمل ہوگئیں۔ انسانیت کی تعمیر اخوت و مساوات کی خوشگوار بنیادوں پر شروع ہوئی۔ متلاشیانِ حق کو ایسا عرفان آلٰہی عطا ہوا کہ ماسوئی اللہ کا خوف خود بخود دل سے جاتا رہا۔

عبدالمطلب کو جب معلوم ہوا کہ عمل و اخلاق کی حد کمال نے انسانی پیکر اختیار کر لیا۔ تو دل نے دعاؤں کی پرورش کی۔ اِس خیال سے کہ یہ مولود انسان کا ممدوح ہو۔ اس کا نام محمدؐ رکھا۔ انسانیت کے اس کمال کا عالمِ وجود میں آنا انسانوں کے لیئے کس قدر باعث برکت ہوا۔ اس کا حال دنیا میں پھیلی ہوئی روشنیِ علم اور ترقیِ تہذیب سے پوچھو مسلمان اس دن کو یاد کرکے جتنا مسرور ہو کم ہے۔ کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم نے دنیا کو مسرتوں سے بھر دیا۔ لیکن مسلمانوں نے اس خوشگوار یاد کو دل میں تازہ رکھنے کے لیئے کیا کیا۔ مولود پڑھا۔ نعتیں سن کر رات آنکھوں میں کاٹی۔ جب عین نمازِ فجر کا وقت ہوا تو سو گئے۔ ہندوستان میں میلاد کی محفلوں پر اربوں روپے صرف ہوئے۔ مگر مسلمانوں کے پاس اپنی اور انسانیت کی تعمیر کے لیے پانی تک نہیں۔ کاش مسلمان اس دن اپنے چندوں سے تربیتِ اطفال کے لیئے مرکز قائم کریں۔ تاکہ اولوالعزم بچے پیدا ہوں۔ جو تعلیمِ اسلام کو عام کریں۔ اور دنیا سے اپنا لوہا منوائیں۔ دنیا کے سب سے بڑے خادم کی یاد تعمیری کام سے منانی چاہیئے۔ صرف نعتیں پڑھ دینے سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کو تقویت نہیں پہنچ سکتی۔ یا توں

سے نہیں عمل سے اسلام کا بول بالا کرو۔ مخلوق کی خدمت کے لئے مواقع تلاش کرو۔

تربیت

بچے کی صحت کی حفاظت ماں باپ کا مقدس فرض ہے۔ توانا جسم تندرست روح کا مسکن ہوتا ہے۔ جب جسم توانا اور روح تندرست ہے۔ تو ارادہ دنیا کو مسخّر کرنے نکلتا ہے۔ ورنہ عزم چند قدم چل کر مٹی کے ڈھیر پر بیٹھ جاتا اور تیز رَو مسافروں کو حسرت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ اہل عجم پر عربوں کی فتح کا ایک اہم سبب ان کی قوتِ برداشت ہے۔ جنگجو عرب کی قوت کا انحصار تربیتِ اطفال پر تھا۔ ملک کا دستور تھا۔ کہ قصبات کی بیبیاں بچہ پیدا ہوتے ہی دیہات میں اس کی پرورش کا انتظام کرتی تھیں۔ تاکہ کھلی ہوا اور آزاد فضا میں جسم کی مناسب نشو و نما ہو سکے۔ اور ان میں مردانگی کے جوہر پیدا ہوں۔ اور وہ جوان ہو کر دشمن کے سامنے سر نہ جھکا دیں۔

آپ کی والدہ آمنہ نے پیدائش کے دو تین روز بعد دودھ پلانے کے لیے آپ کو ابولہب کی لونڈی ثوبیہ کے سپرد کر دیا۔ کچھ دنوں کے بعد حسب دستور قبیلہ ہوازن کی عورتیں شہر میں آئیں۔ تاکہ کوئی بچہ اجرت پر دودھ پلانے کو مل جائے۔ ان عورتوں میں سے مائی حلیمہ بی بی آمنہ کے گھر آئیں۔ آنحضرت کو یتیم جان کر سوچ میں پڑ گئیں۔ تقدیر نے کہا حلیمہ! گدڑی کو نہ دیکھ۔ لعل کو دیکھ۔ دین و دنیا کی دولت کو چھوڑ کر خالی ہاتھ نہ جا۔ اس کے نام سے تیرا نام رہے گا۔ اس کی دایہ بن۔ اور دنیا میں

عزت حاصل کر۔

بی بی آمنہ نے اپنے لختِ جگر کو حیب مائی حلیمہ کے سپرد کیا ہوگا۔ بیٹے کی جُدائی کے تصور نے قلب میں قلق کے کتنے طوفان اُٹھائے ہوں گے مگر آزاد قوم کی بہادر عورتیں بچوں کی جُدائی برداشت نہ کریں۔ تو اپنی نسل میں غلامی اور ادبار کا ورثہ چھوڑ جاتیں۔ جو مائیں غم کے آنسو بہا کر بچوں کو تربیت گاہوں اور جنگ و پیکار کے میدانوں میں جانے سے روکتی ہیں۔ انہیں قدرت فرزندوں کی کامیاب واپسی پر خوشی کے آنسو بہانے کا موقع نہیں دیتی۔ لو۔ مائی حلیمہ بچے کو لے چلی۔ بی بی آمنہ نے نورِ نظر کے صحت و سلامتی سے واپس لوٹنے کی دعائیں مانگیں۔ خدا کی برکتیں قریش کے گھر سے نکل کر ہوازن کے قبیلہ میں داخل ہوگئیں۔

جو موتی ریت کی تہ میں پائے جاتے ہیں۔ در شہوار بنتے ہیں۔ مٹی اور پتھروں میں رُلنے والے ہیرے کوہِ نور کہلاتے ہیں۔ غریب بچوں کے لیے قدرت کی یہ تسلیاں ہیں۔ محمدؐ حلیمہ کی گود سے مچل کر زمین پر بیٹھنے کی سعی کرتے ہیں۔ حلیمہ! انہیں سخت زمین پر کھیلنے اور اُٹھ اُٹھ کر گرنے سے نہ روک۔ ان کے ارادہ میں سختی پیدا ہونے دے۔ تاکہ ان کی عزیمت کے سامنے لوہا پانی اور پتھر موم ہو جائے۔ انہیں زمین پر کھیلنے دے قالینوں پر لوٹنے والے بچے ارادے کے کمزور ہوتے ہیں۔

دیکھو۔ سعید فطرت بچہ قدرت کے مکتب میں تعلیم پا رہا ہے۔ اب پانچ برس کی عمر ہے۔ رضاعی بہن شیما کے ساتھ بھولی بھٹکی بھیڑ بکریوں

کے پیچھے پھرتا ہے۔ اور انہیں گلہ میں واپس لانے میں مدد دیتا ہے جب کسی بھیڑ بکری کو گھیر کر واپس لاتا ہے تو اسے دنیا مسرت سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہے

کھلی ہوا اور بکریوں کے پیچھے دوڑ دھوپ نے بچے کے ہاتھ پاؤں مضبوط کر دیئے ہیں۔ جب چھ برس کے بعد بچہ گھر لوٹا۔ تو ماں نازک پودے کو مضبوط پا کر باغ باغ ہو گئی ہوگی۔ کیونکہ مضبوط بازو ہی تو بچے کی آئندہ کامرانیوں کے عنوان ہیں۔ پاکباز بیوہ خوشی کے زمانے میں کیوں زیادہ روتی ہے۔ ظاہر کی آنکھ جہاں خوشی کے نظاروں میں مصروف ہوئی۔ فوراً ہی سرتاج کی یاد تازہ ہو گئی جس کے خاک میں منہ چھپانے کے بعد سینہ آرزوں کا مزار بن جاتا ہے۔ بی بی آمنہ کے دل میں فرزند نے خاوند کی یاد تازہ کر دی۔ بیوہ کے سوا کون جانتا ہے۔ کہ خاوند کے مرقد میں کتنی کشش ہوتی ہے۔ شوہر کی موت کے بعد بیوہ کے لیئے دنیا میں اس سے زیادہ خوشی اور اطمینان کی بات کیا ہے۔ کہ وہ اس کی چھوڑی ہوئی نشانی کو ساتھ لے کر خاوند کی قبر کے سرہانے کھڑی ہو۔ اور آنسوؤں کے موتی نذر کرے۔

آمنہ چھ برس کے یتیم بیٹے کو ہمراہ لے کر خاوند کی قبر کی زیارت کو گئیں۔ مہینہ سے زائد مدینہ میں اپنے ننھیال رہیں۔ کسی سیرت نگار نے ذکر نہیں کیا۔ کہ کتنی دفعہ اپنے جگر گوشہ کو ساتھ لے کر آمنہ آنسوؤں کا انمول تحفہ نذر چڑھانے مرقد محبوب پر حاضر ہوئیں۔ اور کتنی دیر دل کے ٹوٹے ہوئے آبگینوں کو مرقد کی مٹی میں رلاتی رہیں۔ ہاں صرف اتنا بتایا ہے

ہ کی وفات

کہ عمر میں جوان، غم میں بوڑھی بیوہ واپسی پر مقامِ ابوا میں انتقال فرماگئیں۔ آمنہ کی لونڈی اُمِّ ایمن اپنے یتیم آقا اور دوجہان کے سردار کو لیکر مکّہ پہنچی۔ اور آنحضرت دادا کے سایۂ عاطفت میں پرورش پانے لگے دو سال کے بعد آپ کے دادا عبدالمطلب بیاسی برس کی عمر میں اس ملک فانی سے جہانِ جاودانی کو سدھار گئے۔ آنحضرت فرطِ محبت سے غم کے آنسو روئے۔ باپ کے بعد ماں، ماں کے بعد اب دادا بھی وہاں جا رہے جہاں سے لوٹ کر کوئی نہیں آیا۔ ان چھوڑ کر جانے والوں کے لیئے آنسو بہانے کے سوا انسان کے بس میں اور ہے بھی کیا۔ اِس جہان سے جانے والو۔ تمہارے لیئے رونا بھی فضول اور بن روئے رہنا بھی ناممکن!

عبدالمطلب نے مرتے وقت اِس گنجِ گرانمایہ کو اپنے بیٹے ابوطالب کے سپرد کیا۔ ابوطالب نے تاعمر اسے جان سے لگائے رکھا۔ اور اپنی عمر کے تجربے اور تدبیریں اس کی حفاظت کے لیئے وقف کر دیں۔ ایسا کیوں نہ ہوتا۔ ابوطالب جناب عبداللہ کے ماں جائے بھائی تھے۔ جوانا مرگ بھائی کی موت کا صدمہ بھتیجے کو دیکھ کر دور ہو جاتا تھا۔

ابوطالب کثیر الاولاد اور قلیل المال تھے۔ اِس لیئے آنحضرت کو بکریاں چرانے پر لگا دیا گیا۔ یہ پیشہ اکثر نیک لوگوں کے لیئے بابرکت ثابت ہوا ہے۔ یہ دین و دنیا کی فتحمندیوں کی تمہید ہے۔ گلہ بانی جہانبانی کا دیباچہ اِس لیئے ہے کہ جہاں جہانبانی کے لیئے قوٰے مضبوط ہوتے ہیں وہاں مویشی کی محبت میں جان لڑا دینے کا جذبہ پختہ ہو کر انسان کی بے

پایاں محبت کے احساس میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ نبوت کا حقدار اور نیکی کا حامل وہی ہے۔ جو مخلوق کی محبت میں سرشار ہو کر ان تمام عناصر کو فنا کرنے کی قابلیت رکھتا ہو۔ جو اس کی ترقی اور خوشی میں حائل ہیں۔ اس کے جسم اور روح کی بالیدگی قوموں کی رہنمائی کی ذمہ داری اُٹھا سکے۔ جسم اور روح کی ترقیوں کی حد کمال کا نام ہی پیغمبری ہے۔

سفرِ شام

آپ کی عمر بارہ برس کی تھی۔ کہ ابو طالب تجارت کی غرض سے شام کے سفر کو چلے۔ آپ چچا سے لپٹ گئے۔ ابو طالب کو آپ سے خاص اُنس تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے اس خیال سے کہ بچے کا دل نہ ٹوٹے، آپ کو ساتھ لے لیا۔ آپ نے اس کے بعد شام، البصرہ، یمن کے متعدد سفر کیے۔

لڑائی میں شرکت

جب آپ کی عمر بیس سال کی تھی۔ تو قریش اور قیس کے قبیلوں کی مشہور لڑائی میں آپ نے شرکت کی۔ یہ معرکہ حرب فجار کے نام سے مشہور ہے۔ اس جنگ میں آپ نے کسی پر ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ ہاں اپنے چچوں کو ترکش سے تیر نکال کر دیتے رہے۔ اس طویل جنگ نے ایک عرصے کے لیئے دونوں جنگجو قبیلوں کو امن پسند بنا دیا۔ اور کچھ عرصے کے لئے خانہ جنگیوں کا سدِ باب ہو گیا۔ آخر یہ جنگ ایک معاہدہ پر ختم ہوئی جس کا نام حلف الفضول ہے۔ متحارب قبیلوں کے ہر فرد نے اقرار کیا۔ کہ ہم زیردستوں کو بچائیں گے۔ آپ نے بھی اس معاہدہ میں شرکت کی۔ زمانہ نبوت میں آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ اس معاہدے کے مقابلے میں اگر مجھ کو سُرخ رنگ کے اونٹ بھی دیئے جاتے۔ تو میں قبول نہ کرتا۔ اور اگر آج بھی

کوئی ایسے معاہدے کے لیئے مجھے دعوت دے تو میں حاضر ہوں۔

حسنِ تدبیر

آپ کے حسنِ تدبیر کا ایک واقعہ سیرت کی کتابوں میں مرقوم ہے۔ بعض لوگوں نے کعبہ کی از سرِ نو تعمیر کے لیئے مختلف حصّے باہم تقسیم کر لیئے۔ حجرِ اسود کے نصب کرنے کا موقع آیا تو اس شرف کو حاصل کرنے کے لیئے تلواریں کھنچ گئیں۔ عرب کے دستور کے مطابق دعویداروں نے خون سے بھرے پیالے میں انگلیاں ڈبو ڈبو کر جان لڑا دینے کی قسم کھائی۔ چار روز تک یہی جھگڑا رہا۔ بالآخر ایک بزرگ نے یہ تجویز پیش کی کہ کل صبح جو سب سے پہلے حرمِ کعبہ میں آئے۔ وہی ثالث قرار پائے۔ چنانچہ یہ رائے تسلیم کر لی گئی۔ حُسنِ اتفاق سے سب سے پہلے حرمِ پاک میں آپؐ ہی پہنچے۔ اس تجویز کے مطابق ہر چند یہ شرف تنہا آپ کا حصّہ تھا۔ تاہم آپ نے سب قبیلوں کو شریکِ سعادت کیا۔ آپ کی رائے کے مطابق ہر قبیلے نے اپنا سردار منتخب کیا۔ آپ نے چادر بچھا کر حجرِ اسود کو اس میں رکھا۔ قبائل کے نمائندوں سے کہا۔ کہ چادر کے کناروں کو تھام کر اوپر اُٹھائیں۔ جب چادر مقامِ ابراہیم کے برابر آ گئی۔ تو آپ نے پتھر اُٹھا کر نصب کر دیا۔ خدا کے جس گھر کا سنگِ بنیاد آپ کے دادا ابراہیم علیہ السلام نے رکھا اس کا سنگِ تکمیل اس سپوت نے اپنے ہاتھ سے نصب کیا۔ خُدا کے گھر کا یہ آخری پاک معمار دینِ حنیف کی عمارت کو بھی پایۂ تکمیل تک پہنچانے والا ثابت ہوا۔ دینِ متین کی عمارت اس کے ہاتھوں ایسی مکمل ہوئی۔ کہ پھر کسی نئے نقش و نگار کی ضرورت باقی نہ رہی۔

سراپا

کون ایسا باکمال مصوّر ہے۔ جو اپنے موقلم کی جنبشوں سے نواحِ عرب کے ایک پاکباز نوجوان کی تصویر کھینچے۔ جس کی حیا سے دنیا پارسائی کا سبق لے۔ جس کے لب قہقہہ سے نا آشنا ہوں۔ جس کا ہلکا سا تبسم اندھیرے کو اجالا کر دے۔ ہاں مصوّر! رنگوں کی آمیزش میں اعتدال پیدا کر۔ تاکہ پاک صورت میں نیک سیرت اس طرح جھلکتی نظر آئے کہ یہ تصویر نور کا جلوہ دکھائی دے۔ چہرے کے نقوش قلب کی بہترین کیفیتوں کے آئینہ دار ہوں۔ روئے روشن سے فاتح کی شان پیدا ہو۔ مگر نشانِ تکبر ہویدا نہ ہو وہ اہلِ دنیا کو دکھوں میں مبتلا دیکھ کر اندوہگین نظر آئے۔ مگر زمانے کی تلخیوں سے سرگرانی نہ ہو۔

کوئی ایسی تصویر بنا! جو مادیت کی آلودگیوں سے پاک ہو۔ اور اس پر وجدانی کیفیت اور روحانی سکوت طاری ہو۔ لیکن اس پر عمل سے عاری اور عزم سے خالی انسان کا گمان نہ ہو سکے۔ بلکہ اس کے سکوت میں ہنگامے ہوں۔ اس کے دلکش تیوروں میں مشکل کشائی کے ارادے چھپے ہوں وہ سادہ لباس میں ہو۔ مگر آنکھوں میں قناعت کی کائنات بھری ہو اس کی بھرپور جوانی اور متناسب اعضا اور محتاط عادات محفوظ زندگی کی شہادت دیتے ہوں۔

قد درمیانہ ہو تاکہ نہ وہ کسی کو کمتر سمجھے نہ کوئی اسے حقارت سی دیکھے۔ اس کے رنگ میں اعتدال ہو۔ تاکہ افریقہ کے کالے اور یورپ کے گورے کے لیے اس میں محبوبیت ہو۔ اور دنیا کا نقشہ اس کے پاؤں تلے اس طرح

بچھا رکھا ہو۔ کہ رحمت کی ہواؤں سے اس کا دامن کرم اُڑتا اُڑتا تمام عرب و عجم کو اپنے سائے میں لے لے۔

مصوّر! حسن متین کی ایسی دلاویز تصویر بنا۔ کہ جو دیکھے کہے کہ یہ سب سے بڑے صنّاع کی افضل ترین مخلوق نہ ہے۔

قیدِ جہت سے آزاد ایک آواز سنائی دی۔ کہ اے مصوّر کے متلاشی! غور تو کر۔ کہ تمام نہاد مسلمانوں نے اپنے سجدوں کے لیے پہلے ہی لاکھوں آستانے تلاش کر رکھے ہیں۔ اگر تیرے ممدوح کی تصویر جائز نہ ہوتی۔ تو کون عقیدت مند تصویرِ جاناں دربغل نہ رہتا۔ اور حاجت روائی کے لیئے اس تصویر کے سامنے دن میں ہزار بار سجدے نہ کرتا۔ اِس زمانہ میں ماسوا پرستی کا یہ حال ہے کہ دستِ رحمت ہی سنبھالے تو کوئی سنبھل سکتا ہے اگر تیرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر حرام نہ کر دی جاتی۔ تو یہ دنیا کا بہت بڑا فتنہ ثابت ہوتا۔

جوانی زندگی کی شگفتہ بہار ہے۔ نقرئی چاندنی کی سرمستی و سرشاری میں حسن دعوتِ لطف اندوزی دیتا ہے۔ اِس زہد شکن موسم میں تو یہ بھی پیغمبری ہے۔ لیکن اس کی سہانی راتوں کی لطیف رعنائیوں سے اثر پذیر نہ ہونا صرف ان انسانوں کا کام ہے۔ جن کی شان ادراک کی سرحد سے پار ہے۔ عمر کے اِس حصّہ میں جب کہ رنگین خواب دلپذیر نغموں سے معمور ہوتے ہیں۔ اور انسان کیف و سرور میں کھویا ہوا ہوتا ہے۔ گناہوں سے اجتناب بڑی کامیابی ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسی فطرت سعید کے

مالک تھے۔ کہ جذبات کا بے قابو ہونا تو کجا خیال کا دامن بھی آلودگیوں سے نہ چھوٗ ا تھا۔ دوست ان کے کیریکٹر کی عظمت کو دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ دشمن ان کی پاکبازی کے معترف ہوگئے جس ملک میں حسنِ بے نقاب کو کھلے بندوں متاعِ ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی اجازت ہو، عشق کی کشاکش سے بچ نکلنا سعادت ہے۔ جو ہوسناکوں کا حصّہ نہیں ہو سکتی۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی شبنم صبح کی طرح آلودگیوں سے پاک تھی۔ اِس پاکبازی پر بڑھاپے میں الزام تراشی مخالفوں کی دین دشمنی ہے، واقعہ نہیں۔

ازدواج

آپ سے جس نے معاملہ کیا، دیانت دار پایا۔ اِس دیانت اور پرہیزگاری کی وجہ سے زبانِ خلق نے جو نقارۂ خدا ہے، آپ کو امین کہہ کر پکارا۔ آپ کی امانت و دیانت کی شہرت گھر گھر پہنچی۔ ایک اونچے گھرانے کی پاکباز اور متمول بیوہ خدیجہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا نے آپ کو شریکِ تجارت بنایا۔ اور دوسروں سے دگنا حق الخدمت دیا۔ آپ کے حسنِ معاملہ کو دیکھ کر خدیجہ رضی اللہ عنہا نے شریکِ زندگی بننے کی خواہش ظاہر کی۔ شادی کے اِس پیغام کو حضور نے قبول فرمایا۔ جس طرح آپ اپنے مکارمِ اخلاق کی وجہ سے امین مشہور تھے۔ اِسی طرح خدیجہ رضی اللہ عنہا پاک دامنی کی وجہ سے عورتوں میں طاہرہ کے نام سے معروف تھیں۔ ہرچند دونوں کے سن و سال میں تفاوت تھا۔ مگر ذاتی اوصاف کی مناسبت نے ایک دوسرے کے لیئے کشش پیدا کردی۔ چنانچہ مردوں کے ممدوح محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ستے عورتوں میں سے ایک نیک سرشت خاتون کو شریکِ زندگی بنانا پسند فرمالیا۔ شادی کے وقت سرورِ عالم کی عمر پچیس برس کی تھی۔ اور حضرت خدیجہ رضؓ کی عمر چالیس کے لگ بھگ تھی۔ متاہل زندگی میں دونو کے تعلقات محبت کے میٹھے راگ کی طرح خوشگوار تھے۔ ان کی خوشیوں کے بہشت میں غصّہ اور وساوس کے سانپ نے راہ نہ پائی تھی چڑچڑا پن جو محبت کی متعارض ہے، ان کے تحمّلِ شادمانی کو چھو تک نہ گیا تھا۔ انسانی کیریکٹر کی عظمت اسی میں ہے۔ کہ جس کو جس سے زیادہ واسطہ ہو۔ وہ اس کی بڑائی کا زیادہ اقرار کرے۔ ریاکار کا ڈھول دور سے سہاونا معلوم ہوتا ہے۔ اسے قریب سے دیکھئے تو اس کا پول کھل جاتا ہے نیک انسان کے متعلق دور رہ کر بدگمانیاں رہتی ہیں۔ اس کا قرب اس کی محبوبیت کو اور بڑھا دیتا ہے۔ حضرت خدیجہ رضؓ کو حضور صلعم کے حُسنِ سلوک سے معلوم ہوگیا۔ کہ میری دولت کیا دنیا کی ساری دولت ان کے خاکِ پا کی قیمت نہیں ہوسکتی۔ حضور صلعم کے اخلاقِ عالیہ حضرت خدیجہ رضؓ کی بڑی سے بڑی توقع کے مطابق تھے۔ اور آپ کی نیکی حضرت خدیجہ رضؓ کے تصوّر کی وسعتوں سے بھی زیادہ تھی۔ انہیں نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہی تھی بلکہ انہیں آپ کے کیریکٹر کی عظمت کا گہرا احساس تھا۔ دایہ سے پیٹ چھپایا جاسکتا ہے۔ مگر رفیقۂ حیات کی آنکھوں سے خاوند کا عیب وثواب نہیں چھپ سکتا۔ اس لیے اس نیک بی بی کا اپنے سرتاج کے متعلق حسنِ ظن حضورؐ کی اعلیٰ سیرت کا ناقابلِ تردید ثبوت

ہے۔

سیرت

ناخلف اولاد برسرِ روزگار یا برسرِ اقتدار ہو کر غریب ماں باپ سے آنکھ چُراتی ہے۔ مگر صاحبِ زر خاتون کا محبوب خاوند، عزیز رشتہ داروں سے مروّت اور ہمسایوں کی امداد میں لگ گیا۔ حضور صلعم کو ابو طالب کی مہربانیاں یاد تھیں۔ ایک دفعہ مدینہ میں قحط پڑا۔ آپ کو اپنے چچا کی عسرت اور اولاد کی کثرت کا خیال آیا۔ اپنے دوسرے چچا حضرت عباس رضؓ کے پاس پہنچے۔ اور کہا۔ کہ قحط سالی ہے۔ اور چچا ابو طالب قلیل المال اور کثیر الاولاد ہیں۔ بہتر ہے کہ ان کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیئے ایک لڑکے کو میں اپنے پاس لے آؤں۔ اور ایک کو آپ اپنے گھر لے جائیں۔ انہوں نے یہ بات پسند فرمائی۔ دونو ابو طالب کے پاس پہنچے۔ اور اظہارِ مدعا کیا۔ انہوں نے حضرت علی رضؓ کو تو حضور کے سپرد کر دیا۔ اور جعفر کو حضرت عباس رضؓ کے حوالے کیا۔ حضرت علیؓ کی عمر اس وقت پانچ برس کی تھی۔ پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر کا یہ تربیّت یافتہ بچہ صاحبِ ذوالفقار اور اعلیٰ درجہ کا شہسوار بنا۔ اس نے خیبر شکن بازو اور شیر افگن قوت پائی۔ وہ بلند پایہ فلسفی، اعلیٰ درجہ کا ادیب اور شاعر بنا۔ دنیا میں بابِ علم اور صاحبِ فضل کہلایا۔ کاش! مسلمانوں کی اولاد انہی خصوصیتوں کی حامل ہو۔

حضرت علی رضؓ تو خیر مہربان چچا کے بیٹے گویا اپنا ہی گوشت پوست تھے۔ تم بیگانے سے حضور صلعم کا حسنِ سلوک دیکھو۔ زید حضورؐ کا ایک غلام ایک آزاد عیسائی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ حضرت خدیجہ رضؓ کا

بھتیجا حکیم بن حزامؓ اسکو کہیں سے خرید لایا۔ اور اپنی پھوپھی کی نذر کیا۔ حضرت خدیجہؓ نے اُسے حضور صلعم کو سونپ دیا۔ یہ غلام گھر میں بچوں کی طرح پرورش پانے لگا۔ یہاں تک کہ اس کے باپ اور چچا اُس کی تلاش میں حضور کے پاس پہنچے۔ اور درخواست کی۔ کہ زید کو گھر بھیج دیا جائے۔ آپ نے بخوشی قبول فرمایا۔ باپ اور چچا زید کی آزادی سے باغ باغ ہو گئے۔ مگر زید پر اوس سی پڑگئی۔ اور دونوں کو صاف کہہ دیا کہ میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر اب کہیں نہیں جا سکتا۔ باپ حیران ہو کر بولا۔ کہ تو آزادی سے غلامی کو پسند کرتا ہے؟۔ اس نے کہا۔ ہاں میں نے محمد صلعم میں وہ بات پائی ہے۔ کہ ماں باپ کو اُن پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ حضور صلعم نے سب کو مخاطب کر کے کہا۔ لوگو! زید میرا بیٹا ہے۔ اور میں اس کا باپ۔ حارثہ نے سُنا۔ تو خوش خوش گھر کو چلا گیا۔ یہ تھوتھی بات نہ تھی۔ جو کسی کم ظرف نے جوش میں آکر کہہ دی۔ اور مزاج اعتدال پر آیا۔ تو بھلا دی ہو۔ بلکہ اس شفیق آقا نے غلام کے ساتھ جو قول کیا۔ وہ عمر بھر نباہا۔ شادی کے لائق ہوا۔ تو اپنی پھوپھی کی لڑکی زینبؓ کے ساتھ نکاح کر دیا۔

خدا پر ایمان محمد صلعم کی جان تھی۔ کفر اور شرک کی رسموں سے پرہیز گویا حضور کی گھٹی میں پڑا تھا۔ منصب نبوت پر پہنچنے سے پہلے کا واقعہ ہے کہ قریش نے بتوں کے چڑھاوے کا کھانا حضور صلعم کے سامنے لاکر رکھا مگر اس موحد برحق نے کھانے سے اجتناب کیا۔ آپ کو نمایاں ہونے اور بڑا بننے کا شوق نہ تھا۔ ہاں جو آپ کے قریب آتا تھا۔ گرویدہ ہو جاتا تھا۔ آپ

کی زندگی لہو و لعب، جھوٹ اور فریب سے پاک تھی۔

تنہائی

سیرت کی اس ہلکی سی جلوہ نمائی سے معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ آپ جسمانی صحت اور اخلاق میں ممتاز تھے۔ جب جسم اور روح آلائشوں سے پاک ہوتے ہیں تو حسینوں سے حسین خدا کی محبت اجڑی بستی کو بساتی ہے۔ اطمینان بخش ہوائیں عرش کے کنگروں کو بوسہ دے کر آتی ہیں۔ راحت کا سمندر امڈا چلا آتا ہے۔ انسان چاہتا ہے۔ کہ غیروں کی مداخلت کے بغیر اس سرور سے کیف اندوز ہوتا رہے۔ اس لیئے وہ ایسے گوشۂ عزلت کو پسند کرتا ہے جہاں پتّا نہ ہلے۔ اور پرندہ پر نہ مارے۔ مسرت کے لاسلکی پیغام آسمان سے آتے ہیں۔ دل برکتوں سے معمور ہو جاتا ہے۔ کبھی اضطراب اور غم سے پاک رقت پیدا ہوتی ہے۔ آنکھیں ساون کی جھڑی کی طرح آنسو برساتی ہیں۔ لیکن باوجود اس اشک باری کے دل مسرتوں کا جلوہ زار بنا رہتا ہے۔ جب آپ کی عمر پینتیس برس کو پہنچی۔ تو خلوت کی کشش بڑھ گئی۔ آپ راتوں کو ایک غار میں جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے جایا کرتے تھے۔ اس غار کا نام حرا ہے۔ حضور صلعم ستو باندھ کر ہمراہ لے جایا کرتے۔ اور جب تک یہ ختم نہ ہو چکتے۔ وہیں قیام فرماتے۔ ان سکوت زا تنہائیوں کی کیفیتوں کا صحیح علم تو نبیؐ کو ہی ہو سکتا ہے۔ مگر ناچیز امتی کا یہ قیاس ہے کہ محولہ بالا کیفیت سے وہ ملتی جلتی کیفیت تھی۔ جو غارِ حرا کی کشش کا باعث تھی۔ امتی کو یہ خوشگوار تجربہ اس وقت ہوتا ہے۔ جب اس کا حسن عمل بارگاہِ باری تعالیٰ میں مقبول ٹھہرے۔ تاکہ انسان سمجھ سکے کہ خدا

اپنے بندے سے راضی ہوگیا۔ جس کسی کو یہ جاں فزا تجربہ ہوتا ہے۔ وہ نادیدہ خدا کی رویت کے لیے رات کو اس شوق بھرے اضطراب سے اُٹھتا ہے۔ جس طرح عاشق وارفتہ کسی پیکرِ حسن کی محبوبیت کا نظارہ کرنے کے لیئے انسان ایک پُرشوق تشویش محسوس کر کے جلدی جلدی تیار ہوتا ہے۔ گویا مطلوب ملاقات کے لیئے منتظر کھڑا ہے۔ اور اُسے دیر ہوگئی تو ڈر ہے کہیں مایوس نہ لوٹ جائے۔ اور جب تمام چیزوں سے خالی الذہن ہو کر اس کے دھیان میں بیٹھتا ہے۔ تو ایسا محسوس کرتا ہے۔ گویا کسی جانِ جاں کی محبت بھری میٹھی باتیں سنتا ہے۔ اور بعض اوقات اس کے کام و دہن ایسی لذتوں سے حلاوت اندوز ہوتے ہیں جس کا بیان دائرۂ امکان سے باہر ہے۔ کبھی کبھی وہ تاریکیوں میں نور کی جھلک دیکھتا ہے۔ گویا نیرہ و تار مطلع پر کواکبِ تاباں ظاہر ہو گئے۔ جب روح اس طرح عالمِ علوی سے علاقہ پیدا کرتی ہے۔ تو اکثر خطرات سے آگاہ ہوتی ہے۔ اور خوش خبریاں پاتی ہے۔ کبھی رویائے صادقہ اور صاف الہام اس کی رہبری کرتے ہیں۔ بعض اوقات نئی دنیا کی اچھوتی حقیقتیں اس پر کھلتی ہیں۔ علم و یقین کے باب وا ہوتے ہیں۔ انسان خدا کے ساتھ اپنے تعلق یوں استوار پاکر آئندہ لغزشوں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ یہاں تک تو پیغمبر اور امتی کا حال یکساں ہے۔ اگلی وادی کے سفر کے لیئے عام قدم رُک جاتے ہیں۔ وہاں صرف پیغمبروں کا گذر ہو سکتا ہے۔ اس سفر کی آخری منزل وہ ہے۔ جہاں حُسنِ حقیقی پرتو فگن ہے۔

وحی

عرب کا روشن ضمیر آقا غارِ حرا کی تاریکیوں میں نور کی جھلک دیکھنے لگا۔ اس کے خواب سچے اور الہام صحیح ثابت ہونے لگے۔ پانچ برس تک یہی کیفیت رہی۔ مگر آپ کی روح اور رفعت چاہتی تھی۔ وہ جوہرِ قابل براہِ راست اکتسابِ علم کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس لیئے عمر کے اکتالیسویں سال مطابق سنہ ۶۱۰ء اسے وہ منصب حاصل ہوا جس کا اہل اس کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ لیلۃُ القدر کی اس سعید ساعت کو خدا کا پیغام بر فرشتہ جبریلؑ دنیا کے آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غارِ حرا میں پہلا پیغام لے کر آیا۔ اور کہا:۔

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

پڑھ اُس خدا کا نام جس نے کائنات کو پیدا کیا۔ آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ پڑھ تیرا خدا کریم ہے وہ جس نے انسان کو قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ وہ جس نے انسان کو وہ باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں۔

ثابت بن قیس نے سچ کہا۔ کہ خدا نے اپنے بندوں میں سے بہترین شخص کو انتخاب کیا جو سب سے زیادہ شریف النسب۔ سب سے زیادہ راست گفتار

اور سب سے زیادہ شریف الاخلاق تھا۔ وہ تمام عالم کا انتخاب تھا۔ اِس لیے خُدا نے اِس پر کتاب نازل کی۔ روایت ہے کہ جب جبرئیل غارِ حرا میں ظاہر ہوئے تو کہا۔ کہ پڑھو۔ آپ نے فرمایا کہ میں پڑھنا تو نہیں جانتا۔ تب حضرت جبرئیلؑ نے آپ کو سینے سے لگا کر خوب زور سے دبایا۔ پھر وہی الفاظ دہرائے۔ اور وہی جواب پایا۔ پھر اِسی طرح دبایا۔ غرض تیسری مرتبہ یہ جواب سننے کے بعد جبرئیلؑ نے وہ پانچ آیتیں پڑھیں۔ اِس واقعہ سے بے حد متاثر ہو کر حضور صلعم گھر پہونچے۔ رفیقۂ حیات حضرت خدیجہؓ کو کہا۔ کہ مجھے کمبل اوڑھا دو۔ مجھے کمبل اوڑھا دو۔ چنانچہ آپ کو کمبل اوڑھا دیا گیا۔ جب کچھ دیر بعد سکونِ خاطر ہوا۔ تو خدیجۃ الکبریٰ سے کو غارِ حرا کی سرگذشت من وعن کہہ سنائی۔ اور کہا کہ مجھے تو جان کا خوف ہے۔ بیوی جس کی نظر خاوند کے بلند اخلاق پر تھی۔ پکار اُٹھی۔ کہ یہ واقعہ آپ کو مبارک ہو۔ خدا آپ کو ہرگز رسوا نہیں کرے گا۔ کیونکہ آپ قرابت داروں سے حسنِ سلوک کرتے ہیں ہمیشہ سچ بولتے ہیں۔ لوگوں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں۔ فقیروں مسکینوں کی مدد کرتے۔ مسافروں کی مہمانی کرتے ہیں۔ اچھے کام کرنے والوں کے آپ مددگار ہیں۔

سیرت کے ایک ایک واقعہ میں دفترِ معنی مضمر ہے پیغمبر آخرالزمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منصب کی سب سے پہلے تصدیق کرنے والا کوئی مرد نہ تھا۔ بلکہ یہ فخر ایک خاتون کی قسمت میں لکھا گیا۔ تاکہ مومنوں کے منہ پر قفل لگ جائیں اور عورت کو مرد سے ہیٹا نہ کہہ سکیں۔ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرتؐ کی سچائی کی

ایسی ناقابلِ تردید شہادت پیش کی۔ جس سے ہر مخالف نکتہ چین کی زبان بند ہوگئی۔ اِس مومنہ کی فراست کو دیکھو۔ کیا خوب کہا۔ کہ مخلوق کی خدمت کرنے والے کو خالق رسوا نہیں کرے گا۔ خدمتِ خلق اور مخلوق سے محبت سچے مذہب کی جان ہے۔ بے شک دوسرے کام آنے والوں کو خدا رسوا نہیں کرتا۔

حضرت خدیجہ کا چچیرا بھائی ورقہ بن نوفل عربی اور عبرانی زبان کا عالم تھا۔ وہ شرک سے نفور اور دینِ حق کی تلاش میں رہتا تھا۔ بڑھاپے کی کمزوریوں سے اِس کی بینائی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہؓ حضور صلعم کو اس نابینا بزرگ کے پاس لے گئیں۔ اور کہا۔ اے چچا کے بیٹے اپنے بھتیجے کا ماجرا سُن۔ حضور صلعم نے غارِ حرا کا واقعہ سُنایا۔ تو ورقہ بن نوفل نے کہا۔ کہ یہ تو وہی ناموس ہے۔ جو حضرت موسےٰ علیہ السلام پر اُترا تھا۔ اے کاش! میں اس وقت تک زندہ رہوں۔ جب کہ تیری قوم تجھے نکال دے گی۔ حضورؐ نے پوچھا۔ کیا میری قوم مجھے نکال دے گی۔ وہ بولا۔ ہاں۔ جس کو لے کر تم آئے ہو۔ اس کو لے کر کوئی آدمی نہیں آیا جس سے لوگوں نے دشمنی نہ کی ہو۔ اگر اس زمانہ تک میں زندہ رہا۔ تو تمہاری ہر طرح مدد کروں گا۔ افسوس! یہ صاحبِ ایمان جلدی ہی مرگیا۔ آنحضرت صلعم کو خواب میں وہ سفید لباس میں دکھایا گیا۔ جس سے حضور نے تعبیر کی۔ کہ ورقہ بن نوفل جنّتی ہے۔ اگر اس کا مقام دوزخ ہوتا تو جسم پر لباس نہ ہوتا۔ غرض جویائے حق حق کو پہنچ گیا۔

حضور صلعم نے جس خوف کا اظہار فرمایا تھا۔ وہ ان معاملات کی ابتدا اور

بشریّت کے تقاضے کے باعث تھا۔ کون نہیں جانتا کہ ایک نامعلوم وادی میں پہلا قدم کس قدر جھجک پیدا کرتا ہے۔ اس طبعی ہچکچاہٹ کے ساتھ نئی دنیا کے مناظر کا ایسی پر ہیبت عظمت کے ساتھ سامنے آنا۔ یعنی غار کی تاریکی میں فرشتے کا زور زور سے بھینچنا سوائے خوف کے کیا کیفیت پیدا کر سکتا ہے۔ بجائے شک کرنے کے خوف اور ہراس کا یہ مجرد واقعہ ہی آں حضرت کی سچائی کی دلیل ہے۔ اگر نبوّت کا دعویٰ آپ کا من گھڑت افسانہ ہوتا۔ تو یوں خائف گھر نہ آتے۔ بیوی کے سامنے تو بزدل بھی بہادر بننے کی کوشش کرتا ہے۔ بنابریں قلب سلیم تسلیم کرتا ہے۔ کہ آپ کے دل میں جھوٹی شہرت چھوڑ اس منصب کی معصوم امنگ بھی نہ تھی۔ نبیوں اور نیکوں کے دل مناصب کے آرزومند نہیں ہوتے۔ وہ تو آگ کی تلاش میں نکلتے ہیں۔ اور اچانک نورِ حق کو پا لیتے ہیں۔ عرب کا یہ یتیم بھی اچانک کونین کا سردار بنا یا گیا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ

وحی کے پہلے تجربہ میں یہ حالت اِس لیئے طاری ہوئی تا کہ وحی کو کشف۔ الہام اور رؤیا سے تمیز کیا جا سکے۔ ایسا نہ ہو کہ مرسل تمثیل اور معنی کے ابہام میں رہے۔ بلکہ اسے معلوم ہو۔ کہ یہ تخیّل نہیں حقیقتِ ثابتہ ہے حضور کے پڑھنے سے انکار پر فرشتے کا اصرار اور بار بار بھینچنے کی وجہ صرف یہ تھی۔ کہ پیغمبرؐ پر روشن ہو جائے کہ یہ منظر وہم کی پیداوار نہیں۔ بلکہ حقیقتِ حال ہے۔

معترض حضور صلعم کے دعوائے نبوت کو دولت اور طاقت کی آرزو پر مبنی

سمجھتے رہے اور اس حقیقت کو ہمیشہ نظر انداز کرتے رہے۔ کہ طوفان خیز شباب جو معرکوں اور ہنگاموں کا زمانہ ہوتا ہے ایک شخص خاموش اور پُر امن متاہل زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کا سینہ چالیس برس کی عمر کے بعد کیونکہ شور انگیز امنگوں کی جولانگاہ بن گیا۔ حالانکہ عمر کا یہ حصہ بڑھاپے کی طرف پہلا قدم سمجھا جاتا ہے اس عہد میں جوانی کی حرارت پیری کی سرد ہواؤں سے کم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اگر تم گرم ملک کے باشندے ہو اور تمہاری عمر چالیس کو پہنچ چکی ہے تو اپنے تجربے پر قیاس کر دو کہ عنفوان شباب میں تمہارا سینہ کس طرح محشر خیز امنگوں کی جولانگاہ تھا۔ دولت اور طاقت کی حرص نے کس طرح ایک آگ سی لگا رکھی تھی۔ امیدوں کے سراب نے آنکھوں کے سامنے بہشت کے ہوش رُبا جلووں کی دنیا آراستہ کر رکھی تھی۔ پھر جب چالیس برس کی عمر ہو چکی۔ تو وہ سب جنت نگاہ نظارے یک بیک غائب ہو گئے۔ اور مایوسیوں کا لق و دق صحرا منہ پھاڑے نظر آنے لگا۔ اگر تم اس عمر کو نہیں پہنچے تو اس عہد کی خزاں آفرینیوں کا درد بھرا افسانہ کسی سن رسیدہ سے پوچھو۔ گلستاں کے مصنف سعدی سے دریافت کرو جس نے جذبات خیز جوانی کو خیر باد کہتے اور برف بار بڑھاپے میں قدم رکھتے ہوئے کس حسرت سے "چہل سال عمرِ عزیزت گذشت" کا غیر فانی مصرع کہہ کر اس عہد کی سرد مزاجیوں کی طرف حکیمانہ اشارہ کر دیا۔ اس لیئے چالیس برس کے بعد خاموش زندگی بسر کرنے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوے شیطانی امنگوں اور باطل اُمیدوں پر مبنی نہ تھا۔ بلکہ وحی ربّانی انہیں غارِ حرا کی تنہائیوں سے نکال کر میدانِ وغا و غزا

میں سے آئی تھی۔

زمانہ فترت

حضرت جبرئیلؑ کے ظہورِ اول کے بعد چھ ماہ تک کوئی آیت نہیں اُتری۔ وحی کے اس التوا کا زمانہ زیادہ سے زیادہ چھ ماہ تک رہا۔ اس کو زمانۂ فترت کہتے ہیں۔ زاہدِ خشک نے التوائے وحی کی مصلحت یہ سمجھی کہ پیغمبر کو شدّتِ وحی سے دوبارہ تکلیف نہ ہو۔ عاشقِ رمز شناس، بولا۔ کہ یہ بھی حسنِ حقیقی کی ایک ادا تھی۔ تاکہ ہجر میں طالب کی نیاز مندیوں اور اس کے شوق و اضطراب کو کنکھیوں سے نظارہ کرے۔ ایک واقعہ کی دو تاویلوں میں سے اپنی افتادِ طبیعت کے مطابق کسی ایک کو قبول کر لو۔

جیسا بیان ہو چکا ہے۔ نبی کسی منصب کے طالب اور شہرت کے خواہاں نہیں ہوتے۔ خدا کی محبت اور عبادت ان کی روحانی غذا ہوتی ہے اس میں وہ بھول چوک نہیں کر سکتے۔ زمانہ فترت میں آنحضرت صلعم برابر غارِ حرا میں جاتے رہے اور شبستانِ دل کو نورِ حق سے منور کرتے رہے۔ عاشقِ صادق کو تو ہجر میں وصل سے زیادہ مزا ملتا ہے۔ بعضوں نے لکھا ہے۔ التوائے وحی کے زمانے میں حضور سخت پریشان رہتے تھے۔ ہر چند یہ بات مصدّقہ نہیں تاہم پریشانی کو دردِ ہجر اور شوقِ وصل سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

طالبِ صادق کے امتحان کی یہ اول منزل ختم ہو گئی۔ تو ایک دن پھر جب حضورؐ غار سے نکل کر گھر آرہے تھے۔ اسی فرشتے کا ظہور ہوا۔ آپ پھر کسی قدر مرعوب ہو گئے۔ مکان پر پہنچ کر کپڑا اوڑھا اور لیٹ گئے۔ اتنے

میں کان میں یہ پُر جلال آواز آئی۔ کہ

يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۙ

اے چادر میں لپٹے ہوئے۔ اُٹھ۔ اور ان لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرا اور اب رب کی بڑائی اور کبریائی بیان کر۔ اپنے کپڑوں کو پاک کر۔ اور نجاست یعنی شرک و بدی سے جدائی اختیار کر۔

پہلی وحی میں عطائے علم کی بشارت تھی۔ اِس سے اشاعتِ دین کا حکم ہوا۔ یہ دین وہی تھا جس کی اشاعت سب نبیوں نے کی۔ اور جسے سب نیک لوگوں کے دل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ یعنی یہ کہ انسان۔ حیوان۔ شجر۔ حجر۔ بھوت پری۔ قبر اور بت پرستش کے لائق نہیں۔ ہاں وہ ذات واحد جو کل کائنات کی طلسم بند اور تصویر خانۂ موجودات کی مالک ہے۔ وہ جو دل کے بھیدوں سے واقف ہے حُسن یوسفؑ اور شادابیِ گل جس کے قلم کا ایک معمولی کرشمہ ہے۔ سمندر کی حیرت نما وسعت اور اس کی بلاخیز موجیں پہاڑوں کی بلندیاں اور اُن کے لامتناہی سلسلے۔ ان گنت ستارے اور یہ شمسی اور قمری نظام۔ بادلوں کا ہجوم بجلی کی تڑپ۔ بارش کے موتیوں سے پاکیزہ قطرے اور خوشبوؤں سے لبریز ہوائیں۔ پُرشور آندھیاں۔ موسموں کا تغیرّ۔ جذبات کے طوفان حُسن کی بے پروائیاں۔ عشق کی ارادت کیشیاں اس کے ایک ارادے کی پیداوار ہیں۔ ماں کی ممتا بچے کا خوشگوار تبسم اور ایسے ہزاروں تاثرات کا پروردگار کون ہے۔ پھول میں خوشبو۔ پھل میں حلاوت کون پیدا کرتا ہے۔ پس وہی خدا جو عزت اور

عظمت کے قابل اور پرستش کے لائق ہے۔

خدا کی ہستی کا اقرار تمام نیکیوں کا سرچشمہ ہے۔ جب اس یقین میں شک پیدا ہو جائے تو انسان جوشِ عمل سے عاری ہو کر پریشان حال ہو جاتا ہے۔ حسنِ عمل کی ہزار سعی کے باوجود انصاف کے حدود کو قائم نہیں رکھ سکتا۔ اور شیطان کے ہاتھ میں ظلم اور عدوان کی بے پناہ تلوار بن جاتا ہے۔ کیونکہ جب کسی محاسبِ اعلیٰ کی ہستی کا یقین ہی نہیں۔ تو سعی و عمل کا جائزہ لینے کی کیا ضرورت ہے۔ جب کوئی کوتوال ہی موجود نہیں تو چور کو چوری سے کیا خوف ہو سکتا ہے۔ اس قانون کے مستثنیات کو دیکھ کر گھبرا نہ اٹھو۔ منکرین کے گروہ میں جو حسنِ عمل کا رنگ نظر آتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منکرِ خدا بظاہر عاقبت کے خطروں سے شجاعانہ بے پروائی کا اظہار کرتا ہے۔ مگر دل کے گوشے میں یہ اندیشہ رکھتا ہے۔ مبادا اس وسیع کائنات کا کوئی پروردگار ہو۔ جو مجھے مرنے کے بعد زندہ کرے۔ اور اعمال کا جائزہ لے۔ ادھر ایمان کے بعض مدعی گناہوں کے گڑھے میں آپ کو پڑے ملیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ ان کا یہ اقرار بھی لفظی اور رسمی ہوتا ہے۔ وہ سجدوں میں بھی شک کرتے ہیں کہ مبادا خدا کا وجود بھی ہما اور عنقا کی طرح محض افسانہ ہو۔ اور یہ نماز روزے تضیعِ اوقات ہی ثابت ہوں۔ ورنہ شبہ نہیں کہ بھلائی کی قوت محرکہ خدا کا اقرار ہے اور برائی کا منبع محاسب قوت کا انکار۔ اسی لیئے قرآن حکیم مناظرِ قدرت کی طرف بار بار توجہ دلاتا ہے۔ عناصرِ اربعہ کی گوناگوں اور بوقلموں صورتوں

حواسِ خمسہ کی لطف اندوزیوں اور لذّت زائیوں ۔ قدرت کی صنعت بھری رنگ آمیزیوں اور گلکاریوں کو انسان کے پیش نظر کر کے پوچھتا ہے ۔ کہ یہ جو سب کچھ موجود ہے ۔ کیا یوں ہی پیدا ہو گیا ؟ مخاطب گو لطفِ نگاہ سے محروم نہیں ۔ پھر بھی اس کی دلکش کور ذوقی اس چمکتی حقیقت یعنی خالقِ کائنات پر ایمان لانے کی راہ میں شک و شبہ کی دیواریں کھینچ دیتی ہے اس کم بینی اور کوتاہ اندیشی کے مرض کا علاج آنکھوں کا بند کرنا نہیں ۔ بلکہ حقائق کو علم و عقل کی روشنی میں بار بار دیکھنا ہے ۔ مظاہرِ عالم اور مناظرِ قدرت پر بار بار تحقیق کی نظر ڈالنے سے بالآخر انسان شک کی دیوار سے پار ہو جاتا ہے ۔ اور اس وادیٔ حیرت میں جا پہنچتا ہے ۔ جہاں فطرتِ بشری خالقِ بحر و بر کے سامنے عجز و بے چارگی سے گردن جھکائے کھڑی نظر آتی ہے ۔

نیک لوگ جب اپنے ہم جنسوں کو کفر اور شرک کی گمراہی میں دیکھتے ہیں ۔ تو گھبرا اُٹھتے ہیں ۔ اور انسانوں کو بے یقینی کی ضلالتوں سے نکلنے کے لیئے پکارتے ہیں ۔ نبی اور پیغمبر تو دنیا کی رہنمائی اور رہبری کے لیئے خاص طور پر منتخب کیئے جاتے ہیں ۔ حضور صلعم نے جب تبلیغ دین کا حکم پایا ۔ تو سب سے پہلے اس کارِ خیر کو شروع کیا ۔

سب سے پہلے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضؓ نے دعوت اسلام قبول کی پھر حضرت علی رضؓ اور حضور صلعم کے غلام زید رضؓ نے دین کی دولت پائی ۔ اس کے بعد حضرت ابو بکر رضؓ کو یہ عزت نصیب ہوئی ۔ حضورؐ کے اخلاق جن جن کے سامنے سب سے زندہ آئینہ تھے ۔ اور حضور کی زندگی کا کوئی گوشہ جن سے محجوب

اور پوشیدہ نہ تھا۔ وہی پہلے آپ کی صداقت کے قائل ہوئے۔ بیوی بھائی۔ غلام۔ دوست جب ایمان لاچکے۔ تو رفتہ رفتہ حضرت ابوبکرؓ کی سعی اور کوشش سے حضرت عثمانؓ حضرت زبیرؓ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف۔ حضرت سعدؓ وقاص (فاتح ایران) اور حضرت طلحہؓ ایمان لائے ان کے علاوہ حضرت عمارؓ۔ خبابؓ بن الارتؓ۔ ارقمؓ۔ سعد بنؓ زید۔ عثمانؓ بن مظعون۔ عبیدہؓ۔ صہیبؓ رومی جلد ایمان لانے والوں میں سے تھے۔

حضور صلعم امن پسند اور صلح جو تھے۔ وہ تو دشمن کے دل میں بھی غبار پیدا کرنا ناپسند کرتے تھے۔ چنانچہ احتمالِ شر کے پیش نظر توحید اور رسالت کی تبلیغ چپکے چپکے ہی فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ خدا کی عبادت بھی کسی گھاٹی میں جاکر کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درّہ میں نماز پڑھ رہے تھے۔ کہ اچانک ابوطالب وہاں آنکلے اور تعجب سے دیکھتے رہے۔ نماز کے بعد پوچھا۔ کہ یہ کونسا دین ہے۔ حضور نے فرمایا۔ کہ دینِ ابراہیمؑ جس کی دعوت تین برس تک یونہی خاموشی کیساتھ ہوتی رہی اِس عرصے میں حضور کے حلقے میں مومنین مخلصین کی ایک مختصر سی جماعت آگئی جو بشمولِ مستورات چالیس جانوں سے زیادہ نہ تھی۔ اب چوتھے سال یہ حکم آیا:۔

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (حجر) اور تجھ کو جو حکم دیا گیا ہے۔ واشگاف کہہ دے۔

مجازی محبت کا ڈانڈا عشقِ حقیقی کی سرحد کے قریب سے ہوکر نکلا ہے

دونوں منازل کے مسافروں کے تصورات و احساسات بہت ملتے جلتے ہیں فرق صرف گہرائی اور صفائی کا ہے۔ اگر سیرت کے اِس حصے کو محبت کی عام فہم زبان میں ادا کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ حسن ہمیشہ بے حجابیوں پر مائل اور پردہ داریوں کا مخالف رہا ہے۔ جونہی حُسن کی سرکار سے رازِ محبت کو واشگاف بیان کرنے کا جانفزا حکم پایا۔ آپ کوہِ صفا کی چوٹی پر چڑھ کر پکارے۔ کہ اے اہلِ قریش دوڑو۔ لوگ حسبِ دستور اِس آواز کو یقینی خطرہ کا نشان سمجھ کر بھاگے چلے آئے۔ جب سب جمع ہو چکے تو آں حضرت صلعم نے دنیا و آخرت کا حقیقی خطرہ بطور استعارہ یوں بیان فرمایا۔ کہ اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب میں ایک لشکرِ جرّار تمہاری گھات میں ہے تو کیا تم میری بات کا یقین کر لو گے؟ سب نے کہا۔ ہاں کیونکہ ہم نے آپ کو ہمیشہ سچ بولتے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر سخت عذاب نازل ہوگا۔ لوگ اسے ایک بے حقیقت بات سمجھ کر مذاق اُڑاتے گالیاں دیتے چلے گئے۔ مگر دنیا نے دیکھ لیا کہ اس متانت مآب نبیؐ نے کبھی کوئی بے بنیاد بات نہیں کہی۔ اسلام کی ابتدا میں جو بات آپ کی زبان سے مجاز و استعارہ کے طور پر نکلی۔ وہ حقیقت کے لباس میں ظاہر ہوئی۔ سولہ برس کے بعد جب حضور نے فتحِ مکہ کے وقت دس ہزار قدسیوں کا لشکرِ جرار لے کر مقامِ صفا پر نزولِ اجلال فرمایا۔ تو جن لوگوں نے کوہِ صفا پر اسلام کا یہ اولین پیغام سنا تھا وہ حضورؐ کی عظمت کے قائل ہو گئے۔ اِس طرح مومنین نے فلاح پائی

منکر عذاب ہلاکت میں مبتلا ہوئے۔ اِس واقعہ کا چرچا گھر گھر ہو گیا۔ اور تمام عرب میں نبی کے کذب و صداقت کی بحث کا دروازہ کھل گیا۔ چرچا کرنا اور بحث کے باب کو وا کر دینا ہی ہر دور میں پراپیگنڈا کی جان رہا ہے۔ کسی اصول کی نشر و اشاعت کا موثر طریقہ یہی ہے۔

عشق کی ابتدا شیریں اور خوشگوار ہوتی ہے۔ پھر دشواریوں کا مرحلہ آتا ہے۔ پروردگارِ حسن کے نورِ عشق سے دل کو روشن کرنے والے کی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ سرکار کا حکم ماننا ہو۔ تو ہزار جان سے اس پہ فدا ہو جائیں۔ مگر اس کی بے نیازیاں یہ ہیں کہ پیغمبری کی سند خود عطا کرتا ہے اور اس کی تصدیق دوسروں سے کروانے کا حکم دیتا ہے۔ اس مضمون کو طول دینا سوءِ ادب ہے۔ مختصر یہ کہ نبیوں کی ذمہ داریاں نہایت نازک ہوتی ہیں۔ قدم قدم پہ مشکلات کے پہاڑ اور رکاوٹوں کی دیواریں آتی ہیں۔ عرش پہ اُن کی عظمت کا غلغلہ بلند ہوتا ہے۔ مگر فرشِ خاک پہ انہیں مصیبتوں اور بلاؤں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ہر چند نیک لوگ سعیٔ کار میں دن بھر جان کھپاتے ہیں۔ جب رات کو خود اپنے اعمال کا جائزہ لینے بیٹھتے ہیں۔ تو ہر چھوٹی سے چھوٹی بھول چوک سے مضطرب ہو جاتے ہیں۔ سجدوں میں پڑ کر سخت اضطرار و بیقراری کے ساتھ استغفار پڑھتے ہیں۔ اور معمولی غلطی کے تصور سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مبادا وہ بے پروا ایمان کی دولت سے محروم کر کے اطمینان کی جنت چھین لے اگلے دن پھر دگنی کوشش کرتے ہیں اور انہیں چوگنی مخالفت کا سامنا

کرنا پڑتا ہے - جانِ زار رحمتِ پروردگار کو ڈھونڈتی ہے - مگر امتحانِ عشق کی یہ کٹھن منزل ختم ہونے میں نہیں آتی -

دیکھو محمد صلعم جدھر جاتے ہیں - انگلیاں اُٹھتی ہیں حقارت کی نظریں پڑتی ہیں - ایک دیکھ کر ناک بھوں چڑھاتا ہے - دوسرا منہ بسورتا ہے - ذاتِ اقدس سے استہزا عام ہوگیا - مکہ کی گلیوں کے چھوکرے اور بازاری لفنگے جونہی آپ کو دیکھتے، خاک اُڑانے اور شور مچانے لگتے تھے لیکن آپ ان سب باتوں کو برداشت کرتے اور خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہتے -

اب پھر ذاتِ باری کی طرف سے یہ حکم ہوتا ہے و -

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ   اور اپنے نزدیک والوں کو خدا سے ڈرا -

یہ حکم پاتے ہی حضور نے عزیزوں کی دعوت کا سامان کیا - حضرت علی رض جن کی عمر ابھی تیرہ برس کی تھی میرِ مطبخ نبوی ؐ تھے - عبدالمطلب کا سارا خاندان مدعو تھا - فراغتِ طعام کے بعد آپ نے یوں فرمایا - کہ "میں وہ چیز لے کر آیا ہوں جو دین و دنیا دونوں کی کفیل ہے - اِس بارِ گراں کو اُٹھانے میں کون میرا ساتھ دیگا؟" دعوتِ حق سُن کر سب کو سانپ سونگھ گیا - ہاں آغوشِ محمدی ؐ کے تربیت یافتہ علی رض نے اُٹھ کر کہا - ہرچند مجھے آشوبِ چشم ہے اور گو میری ٹانگیں پتلی اور عمر کم ہے تاہم میں آپ کا ساتھ دوں گا - لوگ اس کو چھوٹا منہ اور بڑی بات سمجھ کر بے ساختہ ہنسنے لگے - تاریخ کنتم عدم سے پکاری کہ کیوں ہنستے ہو - علی ؑ جو کہتا ہے - سچ کر دکھائے گا - پھر واقعات کی رفتار نے ثابت کر دیا کہ اس بچے کا کہا پورا ہوا -

اب دعوتِ دین کے عام ہوتے ہی مخالفت بھی عام ہوگئی۔ بنو ہاشم اور بنو امیہ میں خاندانی چشمک تھی۔ پیغمبری کے دعوے نے رقابت کی آگ پر تیل کا کام کیا۔ اموی ڈرے کہ کہیں ہاشمیوں کا یہ چراغ ہمارا دیا گل نہ کردے۔ ادھر توحید کی تبلیغ اور بتوں کی مذمت نے بھڑکتی آگ کو اور بھڑکایا۔ قریش خدا کی بڑائی اور بتوں کی برائی کی تاب نہ لاسکے۔ کیونکہ اُن کی ساری عظمت بتوں کے مرجع خلائق ہونے پر موقوف تھی۔ اسلام کی ترقی کو آبائی دین اور خاندانی وقار کے لیئے پیغام موت سمجھ کر مرنے مارنے پر آمادہ ہوگئے۔ جس چیز نے قریش کے صبر کا پیمانہ لبریز کردیا۔ وہ اسلام کا مسئلہ اخوت تھا۔ سابقون الاولون میں اکثر لوگ غریب اور غلام تھے۔ خاندانی فخر اور امارت کے نشے سے سرشار قریش ان کی برادری اور برابری کے دعوے کو قبول نہ کرسکتے تھے۔ لیکن ہوتو کیا ہو۔ اسلام نے اُن غریبوں اور غلاموں کے سروں کو خاک سے اُٹھاکر فلک الافلاک پر پہنچا دیا تھا۔ اس لیئے سخت کشمکش شروع ہوگئی۔ نزلہ برعضوِ ضعیف مے ریزد کی مصداق یہ غریب اور غلام ہی زیادہ قریش کے غصے کے شکار ہوئے۔ حضورؐ جو مرجع مومنین تھے۔ آپ پر بھی عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا۔ اپنے تصور میں اسلام کے اِس ابتدائی زمانے کو لاؤ اور دیکھو کہ کس طرح اور کیا کیا اذیتیں مسلمانوں نے اُٹھائیں۔

حضرت عمارؓ یمن کے باشندے تھے۔ ان کے والد کا نام یاسر اور والدہ کا نام سمیہ تھا۔ ایمان لانے والوں میں ان کا چوتھا نمبر تھا۔ ان کے

ساتھ قریش کا سلوک یہ تھا کہ انہیں گرم ریت پر لٹا دیتے۔ اور مارتے مارتے بیہوش کر دیتے تھے۔ ان کی والدہ کو جو ابو حذیفہ مخزومی کی کنیز تھیں اسلام لانے کے جرم میں ابو جہل نے برچھی مار کر ہلاک کر دیا۔ اسی طرح ان کے والد بھی دشمنوں کے ہاتھوں مصیبتیں اُٹھاتے شہید ہوئے۔

سنو۔ یہ اَحد اَحد کی آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ یہ درد و کرب سے کون کراہ رہا ہے۔ دیکھو یہ امیہ بن خلف کا حبشی غلام بلال رضؓ ہے۔ خدا کی توحید کے اقرار کے جرم میں تپتی ریت پر لٹا کر سینہ پر سنگ گراں رکھا ہوا ہے۔ تاکہ جنبش نہ کرنے پائے۔ شقی مالک کا اصرار ہے کہ اسلام سے انکار کرو ورنہ جان سے جاؤ۔ مگر توحید کا نشہ ان ترشیوں سے اترنے والا نہ تھا۔ حضرت بلال گرم ریت سے جلتے تھے مگر اَللہُ اَحَدٌ پکارتے تھے۔ جب امیہ کی مرادیوں بھی بر نہ آئی تو آپ کے گلے میں رسی ڈال کر لونڈوں کے حوالے کر دیا۔ لیکن لوگ کیا جانیں کہ تشدد سے اس محبوبِ حقیقی کی آتشِ عشق اور تیز ہوتی ہے۔

حضرت زنیرہ رضؓ، حضرت عمر رضؓ کے گھرانے کی کنیز تھیں۔ ابو جہل نے قبولِ اسلام کے جرم میں اُنہیں اس قدر مارا کہ آپ کی آنکھیں جاتی رہیں۔ حضرت عمر رضؓ بھی اسلام لانے سے پہلے انہیں بے حد ستایا کرتے تھے۔

ابو فکیہہ رضؓ جب اسلام لائے۔ تو ان کا مالک صفوان بن امیہ بھی انہیں تپتی ریت پر لٹا کر اوپر بوجھ والا پتھر رکھ دیتا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کی زبان باہر نکل آتی تھی۔ ایک دن ایک گبریلا جا رہا تھا۔ امیہ نے حضرت ابو فکیہہ رضؓ

سے طنزاً کہا کہ تیرا خدا یہی تو نہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میرا اور تیرا دونوں کا خدا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس پر امیہ نے ان کا اس زور سے گلا گھونٹا کہ لوگوں کو ان کی موت کا شبہ ہو گیا۔

حضرت لبیبہ ایک کنیز تھیں۔ حضرت عمرؓ اسلام لانے سے قبل ان کو مارتے مارتے تھک جاتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ میں تجھ کو رحم کی بنا پر نہیں بلکہ اس بنا پر چھوڑتا ہوں کہ تھک گیا ہوں۔

حضرت نہدیہ اور ام عبیس دونوں کنیزیں تھیں۔ حضرت صہیبؓ غلام تھے جو اسلام لانے کے جرم میں ہمیشہ دشمنان دین کے معتوب رہے اور طرح طرح کی تکلیفیں اٹھائیں۔

حضرت زبیر بن العوامؓ کے ایمان لانے پر ان کا چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیتا تھا۔ حضرت ابوذرؓ نے جب اسلام کا اعلان کیا۔ تو قریش نے ان کو مارتے مارتے ہلکان کر دیا۔ غرض یہ کہ غریب مسلمانوں نے ظلم و تعدی کا بہادرانہ مقابلہ کیا۔ مگر اسلام سے منہ نہ موڑا۔

یہ تو عاشقان نبی کا حال تھا۔ اب پیغمبر خداؐ کی کیفیت دیکھو۔ پہلے دن جب دین مبین کا حامل خدائے بحر و بر کی توحید بیان کرنے کے لیئے اس کے اپنے گھر یعنی حرم کعبہ میں گیا۔ تو بتوں کے پجاری خدائے واحد کے پرستار پر ٹوٹ پڑے۔ اور اک ہنگامہ بپا ہو گیا۔ حارث بن ابی ہالہؓ شور سن کر دوڑے آئے۔ لوگ حضورؐ سے گستاخیاں کر رہے تھے۔ اس نے قیامت خیز منظر کو دیکھ کر بیچ بچاؤ کرنا چاہا۔ مگر بچارے پر ہر طرف سے

تلواریں مینہ کی طرح برسیں اور وہ شہید ہو گئے۔ اسلام کی راہ میں معصوم حارثؓ کے خون کے پہلے قطرے ہیں۔ جن سے زمین رنگین ہوئی۔ حضرت حارثؓ کے پر فخر انجام پر کس مسلمان کو رشک نہیں۔ لیکن (ع یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا۔

ایک مرتبہ حضورؐ نماز کی نیّت باندھے حرم کعبہ میں کھڑے تھے عقبہ بن ابی معیط نے آپ کی گردن میں چادر ڈال کر اسے اس قدر مروڑا۔ کہ آپ کا دم رُکنے لگا۔ پھر اس زور سے کھینچا۔ کہ آپ فرش پر گر گئے۔ اتفاق سے حضرت ابو بکرؓ آ نکلے۔ اُنہوں نے آپ کو اس کو شر سے بچایا۔ اور مفسدوں کو مخاطب کر کے کہا اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ (کیا تم ایک شخص کو اس لیے قتل کرتے ہو۔ کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے) یہ سُن کر کفار نے آنحضرتؐ کو چھوڑ دیا اور صدیق اکبرؓ پر پل پڑے۔ اور انہیں سخت زد و کوب کیا۔

ایک دن محبوب کبریا، محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سجدے کی حالت میں تھے کہ عقبہ بن ابی معیط نے ابو جہل کے اشارے سے اونٹ کی اوجھڑی لا کر حضورؐ پر ڈال دی۔ اس عبرت انگیز منظر کو دیکھ کر مردم ناشناس قریش ہنسنے لگے۔ کسی نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو اس حال کی خبر کر دی۔ پیارے باپ کی یہ حالت سن کر بنت پیغمبرؐ بھاگی آئیں کمر کے اوپر سے اوجھڑی اُٹھائی۔ غصّہ سے عقبہ کو بُرا بھلا کہا۔ اور بہت بد دعائیں دیں۔

لوگ آپ کے راستے میں کانٹے بچھا دیا کرتے تھے۔ آمادہ بہ شرارت ہمسائے حضورؐ کے گھر میں پتھر اور گندگی پھینک دیتے تھے۔ تاہم اس

متانت پناہی کے شکوے کا ڈھنگ نرالا تھا۔ سخت تنگ آکر بھی یہی فرماتے کہ اے بنو عبد مناف! ہمسائگی کا اچھا حق ادا کر رہے ہو۔ ابولہب کو جو آپ کا چچا تھا۔ آپ سے بڑی کدتھی۔ آپ جہاں جاتے یہ سایہ کی طرح ساتھ جاتا۔ جہاں حضورؐ تبلیغ فرماتے۔ یہ بلند آواز سے کہتا جاتا۔ کہ صاحبو! یہ جھوٹ کہتا ہے۔ ابوجہل بھی ہر وقت موقع کی تلاش میں رہتا۔ اور جب لوگوں میں آپ کو دعوتِ دین دیتے دیکھتا۔ تو خاک اُٹھا اُٹھا کر پھینکتا اور کہتا جاتا۔ کہ لوگو اس کے فریب میں نہ آنا۔ جب آپ نماز کے بعد قرآن مجید پڑھتے۔ تو اسلام کے دشمن قرآن کو لانے والے اور قرآن کو اُتارنے والے دونوں کو گالیاں دیتے۔

عبرت زاہدِ شب زندہ دار کی عافیت کوشیوں پر ماتم کر کے کہتی ہے۔ راحت زا تنہائیوں کے شیدا انسان! اپنے پیغمبرؐ کی مصیبت کوشیوں کو دیکھ۔ گوشہ نشینی تو خدا کی محبّت کی ابتدائی منزل ہے۔ اِس منزل سے نکل کر میدانِ تبلیغ میں آ پہنچ۔ جب تک سر کو ہتھیلی پر رکھ کر اشاعتِ حق میں ہر کوچہ کی خاک چھاننے کا شیوہ اختیار نہ کرے گا محبوب کی نظروں میں نہ جچے گا۔

ہجرتِ حبشہ

اب جب کہ مشرکوں کے جبر و تشدّد کو مسلمانوں کے صبر کا امتحان لیتے پورے پانچ برس گذر گئے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنین

کی ایک مختصر سی جماعت کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی ہدایت فرمائی۔ اس حکم کا باعث یہ نہیں تھا کہ مسلمانوں کا پائے ثبات متزلزل ہو گیا تھا۔ کیونکہ ابتدا کے یہ پانچ برس جن کا ہر روز مومنین کے لیئے روزِ قیامت تھا۔ لوگوں نے نہایت صبر و شکر سے گذارے تھے۔ بلکہ یہ حکم اس لیئے دیا گیا۔ تاکہ خدا کے مقبول بندوں کی ایک جماعت ہر امکانی خطرہ سے محفوظ ہو جائے جیسے جو اور ناتربیت یافتہ قریش کی مخالفت کے باوجود مکہ میں رہنا شیر کی کچھار میں بسر اوقات کرنے کے برابر تھا۔ کیا جانے کبھی ایسا وقت آجائے۔ کہ آتش مزاج قریش یک بیک بھڑک اُٹھیں۔ سب مسلمانوں کو ایک ہی دفعہ تہ تیغ کر دیں اور دنیا میں ایک کلمہ گو باقی نہ رہے۔ چمنستانِ توحید کے مالی کو صرف یہ فکر دامنگیر تھی کہ ہو نہ ہو توحید کا پودا مکے میں نہیں تو کسی اور ہی جگہ جا سر سبز ہو۔ تاکہ کسی نہ کسی طرح خدا کا نام دنیا میں بلند رہے۔ چنانچہ مہاجرین کی یہ پاک جماعت جو امیر غریب عورت مرد پندرہ اشخاص پر مشتمل تھی۔ مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ کو چلی گئی۔ مہاجرین کے نام حسب ذیل ہیں:۔

۱، ۲۔ حضرت عثمانؓ مع اپنی زوجہ محترمہ رقیہ کے

۳، ۴۔ ابو حذیفہؓ۔ عتبہؓ مع اپنی زوجہ سہیلہ کے

۵۔ زبیر بن العوامؓ۔

۶۔ مصعب بن عمیرؓ۔

۷۔ عبدالرحمٰن بن عوفؓ۔

۸ - ۹ - ابوسلمہ مخزومیؓ مع اپنی زوجہ ام سلمہ کے

۱۰ - عثمانؓ بن مظعون جمحی -

۱۱ - ۱۲ - عامر بن ربیعہؓ مع اپنی زوجہ لیلےٰ کے -

۱۳ - ابو سبرہؓ بن ابی رہم -

۱۴ - حاطبؓ بن عمرو -

۱۵ - سہیلؓ بن بیضاء -

۱۶ - عبداللہؓ بن مسعود -

معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اذیت دینا مکہ کے بیکار امرا کا مشغلہ ہو گیا تھا۔ ہجرت کی خبر پاکر قریش نے مہاجرین کا تعاقب کیا۔ حسن اتفاق کہ قریش اس وقت ساحل سمندر پر پہنچے۔ جب مہاجرین کا جہاز بندرگاہ سے روانہ ہو چکا تھا۔ نجاشی والئی حبشہ مہاجرین کے ساتھ بڑی مروت سے پیش آیا۔ اس کی انصاف پسندی کی شہرت مہاجرین کو بھی کھینچ لے گئی۔ اسلام کے دشمن قریش نے جب دیکھا۔ کہ توحید کا پودا تو حبشہ میں بڑھنے لگا، جلدی جلدی عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص فاتح مصر کی سرکردگی میں ایک سفارت مرتب کی۔ پادریوں اور درباریوں کے لئے تحفے مہیّا کیے گئے ترغیب و تحریص کے سارے اسباب فراہم کرکے یہ وفد مکہ سے اس لئے روانہ ہوا۔ کہ فرمانروائے حبشہ سے مل کر اہل اسلام کو حبشہ میں پیوستہ ہونے سے روکے۔ قریش کے ان سفیروں نے پادریوں کی تعصب کو بھڑکایا۔ اور درباریوں کے دہان حرص میں تحفوں کا طعمہ ڈال کر ان کو مطمئن

کیا۔ اسی طرح نجاشی والیٔ حبشہ کے ہم نشینوں کو ہمنوا کرکے دربار میں پہنچے اور کہا کہ ہمارے شہر کے چند نادانوں نے ایک نیا مذہب اختراع کیا۔ تو ہم نے اُن کو دیس نکالا دے دیا۔ وہ آپ کی پناہ میں آگئے۔ یہ ہمارے مذہب یعنی بتوں سے بیزار اور آپ کے دین یعنی نصرانیت کے مخالف ہیں ان میں ہمارے غلام بھی ہیں۔ اس لیے ان کو ہمارے حوالہ فرمایئے درباریوں نے نجاشی کو لگا بجھا کر ہموار کرنا چاہا۔ مگر اس منصف مزاج حاکم نے یکطرفہ فیصلہ نہ کیا۔ بلکہ مجرموں کو بھی طلب کیا۔ حضرت علیؓ کے چھوٹے بھائی حضرت جعفرؓ جو قادر الکلام اور فصیح البیان نوجوان تھے۔ مسلمانوں کی طرف سے جواب دہی کے لیے اُٹھے اور بولے:۔

"اے ملک! ہم جاہل اور بت پرست تھے۔ حرام خوار اور بدکار تھے ہم ہمسائے کو ستایا کرتے تھے۔ ہم میں سے قوی، کمزور کا حق دبا جاتا تھا۔ غرض بھائی بھائی کا دشمن تھا۔ تاآنکہ ہم میں ایک رسول پیدا ہوا۔ جس کی شرافت۔ صدق اور دیانت سے ہم شروع سے شاہد ہیں۔ اس نے ہم کو توحید کا سبق دیا۔ بت پرستی سے روکا۔ ہمیں سچ بولنا سکھایا۔ اور خونِ ناحق سے ڈرایا۔ یتیم کا مال کھانے کی ممانعت کی۔ ہمسایہ سے حسن سلوک کی تلقین فرمائی۔ اور اس نے کہا کہ عورتوں کی عصمت پر بدنامی کا داغ نہ لگاؤ۔ روزے رکھو۔ زکوٰۃ دو۔ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

اے ملک! ہم اس پر ایمان لائے۔ شرک اور کفر کو چھوڑا۔ اور عملِ بد سے باز رہے۔ یہ ہے ہمارا جرم۔ یہ لوگ ہم کو مجبور کرتے ہیں کہ ہم شرک کی

گمراہی میں پھر لوٹ آئیں"۔

نجاشی یہ سُن کر مبہوت ہوگیا۔ پھر بولا کہ خدا کا کلام جو تمہارے رسول پر اُترا ہے سُناؤ۔ جعفر طیار نے سورۂ مریم تلاوت کی۔ کلام معجز بیان کو سُن کر نجاشی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور خدا کی قسم کھا کر کہا۔ کہ قرآن اور انجیل تو دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔ سفرائے قریش کو مخاطب کر کے کہا۔ کہ تم سدھارو۔ میں مظلوموں کو کسی کے حوالے نہیں کر سکتا۔

اس ناکامی کا مُنہ دیکھ کر بھی عمرو بن العاص کی کمرِ ہمت نہیں ٹوٹی پھر پیٹ پکڑے دربار میں پہنچا۔ کہ صاحب یہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے عقیدت نہیں رکھتے۔ نجاشی نے پھر مسلمانوں کو بلا بھیجا۔ مہاجرین حضرت عیسےٰ کے ابن اللہ ہونے کے کہاں قائل تھے۔ سب کو تردد ہوا۔ مبادا اظہارِ حق سے پانسہ پلٹ جائے اس لیے ڈرتے ڈرتے پھر حاضر ہوئے۔ نجاشی نے سوال کیا۔ کہ حضرت عیسےٰؑ کے متعلق تمہارا کیا عقیدہ ہے؟ حضرت جعفرؓ نے نتائج و عواقب سے بے پروا ہو کر برملا کہا کہ وہ خدا کا بندہ اور رسول ہے۔

نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اُٹھا کر کہا۔ واللہ جو تم نے کہا، عیسےٰؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں۔

قریش کی سفارت ناکامی کا مُنہ دیکھ کر ٹھنڈے ٹھنڈے گھر پہنچی۔

اہلِ مکّہ نے اپنی نامرادی کا حال سنا تو آگ بگولہ ہو گئے۔ سوچا کہ کیا کریں۔ بالآخر جوش پہ عقل نے فتح پائی۔ اور ابو طالب کے پاس وفد لے جانے کی تجویز کی گئی۔ ابو طالب دنیا کے معاملات میں بہت ہوشیار تھے۔

انہوں نے باتوں کے ایسے طوطے مینا بنائے۔ کہ اراکین وفد بجائے ابو طالب کو قائل کرنے کے اُلٹے احمق بن کر واپس آ گئے۔

قیاس کہتا ہے کہ قریش ابو طالب کا اپنے ساتھ یہ سلوک دیکھ کر سخت سٹ پٹائے ہوں گے۔ اس لیے پھر ایک اور وفد تیار کیا۔ ابو جہل۔ عتبہ بن ربیعہ۔ شیبہ۔ ابو سفیان۔ عاص بن ہشام۔ ولید بن مغیرہ۔ عاص بن وائل جمع ہو کر پھر ابو طالب کے پاس پہنچے۔ دلیل کے بجائے دھمکی کو مناسب حربہ سمجھ کر صاف کہہ دیا۔ کہ ابو طالب! یا تو تم بیچ سے ہٹ جاؤ یا کھلم کھلا میدان میں آ جاؤ۔ ابو طالب نے دنیا دیکھی تھی۔ صورتِ حال کی نزاکت کو محسوس کر کے آنحضرتؐ کو بلا کر کہا۔ جانِ عم! مجھ پر اتنا بار نہ ڈالو کہ برداشت نہ کر سکوں۔ لفظوں کا یہ اختصار معنی کا دریا تھا۔

آنحضرتؐ کی کیفیتِ قلب کو عقل سے جانچو۔ کہ حضور امتحان کے کتنے طوفانوں میں گھرے کھڑے تھے۔ آپ نے پیارے چچا کی بات سنی۔ سینہ سے غم کا بادل اُٹھا۔ آنکھوں سے آنسو بن کر برسا۔ آپ نے چچا سے صاف کہہ دیا۔ کہ خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے میں چاند دیدیں تو بھی میں ادائے فرض سے باز نہ آؤں گا۔ یا خدا اس کام کو پورا کرے گا۔ یا میں اس کی راہ میں کام آؤں گا۔

جب خالق کا عائد کردہ فرض مخلوق کی محبت سے ٹکراتا ہو۔ تو فرض شناسی محبتِ مخلوق سے بہتر ہوتی ہے۔ اس فرض شناسی پر خدا کی کرم فرمائی دیکھو کہ حضور کو ایمان کے امتحان میں پورا پا کر ابو طالب نے کہا۔

بھتیجے! جا۔ جو چاہے کر۔ تیرا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔

جب قریش کو ابوطالب کے عزم کا علم ہوا۔ تو بہت تلملائے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرتے ہیں تو لامتناہی جنگ چھڑ جانے کا اندیشہ ہے۔ اس چھوٹے فتنے کا سدِباب کرتے کرتے بڑی قیامت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے دھمکی کے بجائے اب نرمی اختیار کرنے کی سوجھی چنانچہ ایک اور موقع پر ایک خوبصورت نوجوان عمارہ بن ولید کو ہمراہ لے کر ابوطالب کے پاس پہنچے۔ اور کہا کہ اے ابوطالب! محمدؐ ہمارے اور تمہارے دین کا مخالف ہے۔ اس کو ہمارے حوالے کر دو۔ اور اس خوبصورت نوجوان کو اس کے عوض تم پاس رکھو۔ پختہ کار ابوطالب کچی گولیاں نہ کھیلے تھے۔ متحمّسانہ انداز میں بولے۔ چہ خوب۔ میرے بیٹے کو تم قتل کر دو اور تمہارے بیٹے کو میں پرورش کروں۔ قریش پھر بے نیل مرام واپس گئے۔

تدبیر کے ترکش سے جب دھمکی اور ترغیب کے سارے تیر ختم ہو چکے تو قریش تحریص کا حربہ آزمانے پر آمادہ ہو گئے۔ دنیا دار انسان کی خوشی کی کل کائنات دولت۔ طاقت اور حصولِ حسن ہے۔ تاریخ کے اوراق اُلٹ پلٹ کر دیکھو یہی اقانیمِ ثلاثہ سفلی خواہشات کا سرچشمہ ہیں۔ یہی دنیا طلبوں کے اعمال کے محرک نظر آئیں گے۔ اس لیے نبوت کی عظمت سے ناآشنا لوگوں نے یہی سمجھا کہ محمدؐ کی سعی و عمل کا محور سوائے ان خواہشات کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ غلاظت کا کیڑا پاکیزہ ہوا کی خوبی کیا جانے۔ مشرکوں کی چشمِ دنیا دار نے روحانی رفعتوں کا نظارہ کب کیا تھا۔ چنانچہ عتبہ بن ربیعہ جب

آنحضرتؐ کے پاس قریش کی طرف سے پیغامبر بن کر آیا۔ تو کہا۔ محمدؐ! صاف صاف کہو۔ کیا چاہتے ہو۔ مکہ کی حکومت کسی بڑے گھرانے میں شادی، دولت کا ذخیرہ؟ تم اس نئے مذہب کی تبلیغ سے باز آؤ۔ ابھی تمام مکہ تمہارے تابع فرمان ہوا چاہتا ہے۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی کیا دے سکتا ہے۔ عتبہ صرف ہاں کا منتظر کھڑا تھا۔ لیکن سرورِ کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر فانی دنیا کی عارضی حکومت و دولت اور زوال پذیر حسن پر نہ تھی۔ بلکہ وہ اُس عاقبت کے طلبگار تھے۔ جہاں ان سب چیزوں کا پروردگار خود جلوہ گر ہے اور جس کی ایک نظرِ کرم دنیا کی دولت اور حکومت سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ جس کی ایک نگاہِ خشم سینکڑوں دوزخوں کے برابر ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان ترغیبات کا جواب وحیِ ربّانی کے الفاظ میں یوں دیا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ (حٰمٓ السجدہ)	اے محمدؐ کہہ دے کہ میں تمہیں جیسا آدمی ہوں۔ مجھ پر وحی آئی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک خدا ہے بس سیدھے اُس کی طرف جاؤ اور معافی مانگو۔
قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (حٰمٓ السجدہ)	کہہ دے کہ کیا تم لوگ خدا کا انکار کرتے ہو۔ جس نے دو دن میں یہ زمین پیدا کی۔ اور تم خدا کے شریک قرار دیتے ہو۔ یہی سارے جہان کا پروردگار ہے۔

اور آپ جس وقت دوسرے رکوع کی اس آیت پر پہنچے۔ فَاِنْ

اَعۡرَضُوۡا فَقُلۡ اَنۡذَرۡتُكُمۡ صَاعِقَةً مِّثۡلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوۡدَ تو عتبہ کا رنگ فق ہو گیا۔ عتبہ دل کا نیک۔ طبیعت کا شریف تھا۔ حضورؐ کے قلب کو دنیوی خواہشات کی آلائشوں سے خالی پایا۔ تو متعجب ہو کر واپس آیا۔ اور سب سے کہا۔ کہ صاحبو! محمدؐ جو کلام پیش کرتا ہے۔ وہ شاعری نہیں۔ تم اُسے اپنے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ عرب پر غالب آیا۔ تو تمہارا بول بالا ہو گا۔ اگر جان سے گیا تو تم سستے چھوٹے۔ مگر نقارخانے میں طوطی کی کون سنتا ہے۔ سب نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ محمدؐ کا جادو تم پر بھی چل گیا۔

حضرت امیر حمزہؓ اور حضرت عمر فاروقؓ

آنحضرتؐ کے چچا حضرت حمزہؓ کی طبیعت میں سپاہیانہ لا اُبالی پن تھا۔ اور اُن کی زندگی کی ساری دلچسپیاں صید افگنی میں تھیں۔ وہ صبح شکار کھیلنے گھر سے نکلتے اور شام کو واپس آتے تھے۔ ادھر ہاشمیوں کا دبدبہ حضرت حمزہؓ کے زورِ بازو کا شرمندۂ احسان تھا۔ ادھر وہ قریش کے دربار کے بھی ایک رتن تھے۔ ایسے بہادروں کو حوادثِ زمانہ کی طرف توجہ کرنے کی فرصت کہاں ہوتی ہے۔ حضور کی بعثت کے بعد شرک اور توحید میں جو ہنگامہ برپا تھا۔ وہ اس سے اس وقت تک بے پروا اور بے نیاز رہے تھے۔ اگرچہ عقیدے کے لحاظ سے تو وہ مشرکوں کے ساتھ تھے تاہم انہیں آنحضرتؐ سے بے حد محبت تھی۔ چچا بھتیجا ہونے کے علاوہ آپ رضاعی بھائی بھی تھے۔ کیونکہ دونوں ثوبیہ کا دودھ پی کر پلے تھے۔ عمر میں صرف تین برس کا فرق تھا اور ساتھ کھیلے تھے۔ گویا محبت کے سارے رشتے قائم تھے۔ لیکن اس کا اظہار نہ ہوتا تھا۔

نورِ ایمان کو دیکھو۔ کہ کن کن گوشوں سے دل میں آتا ہے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ ابوجہل نے حسبِ دستور آنحضرتؐ کو سخت اذیت دی۔ آپ ہر چہ مرضیٔ دلی از ہمہ اولیٰ کہہ کر خاموش رہے۔ ایک کنیز جیر اور صبر

کے اس نظارے کو دیکھ رہی تھی۔ حضرت امیر حمزہ رض جو شکار سے لوٹے تو کنیز نے اُن سے ابوجہل کی گستاخی کا تذکرہ کیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ بھتیجے کی داستانِ مصیبت سُن سُن کر چچا کے صبر کا پیمانہ پہلے ہی لبریز ہو چکا تھا۔ یہ واقعہ سن کر بالکل چھلک گیا۔ اس وقت ابوجہل حرم میں رؤسائے شہر کے ساتھ دربار لگائے خوش گپیوں میں مشغول تھا۔ یہ بہادر بپھرے ہوئے شیر کی طرح پہنچے۔ تیر و کمان سنبھال کر ابوجہل کو للکارا۔ کہ اے ابوجہل میں بھی مسلمان ہو گیا ہوں۔ مطلب یہ تھا کہ دم خم ہے۔ تو اُٹھ اور زور آزمائی کر۔ ہر چند ابوجہل ہمت کا ہیٹا نہ تھا۔ مگر احتیاط کو دانائی کا بہترین جزو جان کر چپکا ہو رہا۔ اور پنجہ آزمائی پر سکوت کو ترجیح دی۔ حضرت امیر حمزہ رض کے اعلانِ اسلام نے مکّہ کے چھوٹے موٹے لفنگوں کو بالکل محتاط اور مرعوب بنا دیا۔ اور اکثر سرکش بھی آنحضرت کے سامنے سے سر کھجلاتے نکل جاتے تھے۔ اور کسی کو گستاخی کا حوصلہ نہ ہوتا تھا۔

حضرت حمزہ رض کے اعلانِ اسلام نے قریش کے کلیجے میں ناسور ڈال دیا۔ حضرت عمر رض ستائیس برس کے تھے۔ اور یہی نہیں کہ وہ اسلام نہ لائے تھے۔ بلکہ جوانی کے تقاضے اور سخت گیر طبیعت نے اُن کی اسلام دشمنی کو جنون کی حد تک پہنچا رکھا تھا۔ لبینہ جو ان کے خاندان کی کنیز تھیں اسلام لائیں۔ تو اُن کی آنکھوں میں غصّے سے خون اُتر آیا۔ ان غریب کو مارتے مارتے بیہوش کر دیتے۔ اور جب تھک جاتے تو چھوڑ دیتے۔ جب انہیں ہوش آتا۔ تو مار پیٹ کا سلسلہ از سرِ نو شروع کر دیتے۔ اُن کی یہ دست

درازیاں لبیبہ تک محدود نہ تھیں۔ بلکہ جو مسلمان ان کے ہتّے چڑھ جاتا اذیّت اٹھاتا تھا۔ اس پر بھی جب اسلام کو دن دُگنی رات چوگنی ترقی کرتے پایا۔ تو معاملہ ان کی برداشت سے باہر ہو گیا۔ ایک دن تلوار ٹیک کر اُٹھے۔ کہ چلو آج چل کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خاتمہ کر دیں۔ نعیم بن عبداللہ جو حضرت عمرؓ کے قرابت دار تھے۔ اور اسلام کی دولت سے مالامال ہو چکے تھے۔ انہیں راہ میں ملے۔ اور تیوروں سے دل کی کیفیت کا اندازہ کر کے بولے اے عمرؓ! کہاں کا عزم ہے؟ حضرت عمرؓ نے کہا کہ بس محمد کا خاتمہ کرنے جاتا ہوں۔ نعیم بولے۔ کہ بھائی! محمدؐ کا خاتمہ تو پھر کر لینا پہلے بہن اور بہنوئی کی خبر لو۔ کیونکہ وہ بھی تو اسلام کے غلام ہو چکے ہیں۔ حضرت عمرؓ یہ سن کر آگ بگولا ہو گئے۔ طوفان کی طرح بہن کے گھر کی طرف بڑھے اتفاق وقت کہ آپ کی ہمشیرہ فاطمہؓ با آوازِ بلند قرآن پڑھ رہی تھیں۔ پاؤں کی آہٹ پا کر چونکیں۔ اور قرآن کے اجزا چھپا لیے۔ حضرت عمرؓ نے گھر میں داخل ہوتے ہی بہنوئی حضرت سعید کو ڈانٹ بتائی۔ کہ تم مرتد ہو گئے ہو۔ پھر آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ انہیں لپٹ گئے۔ فاطمہؓ چھڑانے اُٹھیں۔ حضرت عمرؓ نے بہنوئی کو چھوڑا اور بہن کو مار مار کر لہو لہان کر دیا۔ فاطمہؓ نے غصّے سے جھنجھلا کر کہا۔ کہ جو جی چاہے کرو۔ ہم تو اسلام کے غلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبردار ہو چکے ہیں۔ یہ فیصلہ کن اور سنجیدہ جواب سن کر حضرت عمرؓ نے نظر اُٹھائی۔ بہن کو لہو میں لت پت پایا۔ اس راسخ عزم اور تند نی نظارے نے پتھر دل کو موم کر دیا۔ اور طبیعت کا رُخ

ظلمت سے ہٹا کر نور کی طرف پھیر دیا۔ حضرت عمرؓ نے ذرا بدلے ہوئے لہجے میں کہا اچھا جو تم پڑھ رہے تھے۔ وہ ذرا مجھ کو بھی سناؤ۔ فاطمہؓ نے طبیعت کے انقلاب کو چہرہ کے رنگ اور بدلے ہوئے لہجے سے بھانپا موقع غنیمت جان کر قرآن کے اجزا سامنے رکھ دیے۔ حضرت عمرؓ نے اس سورۃ کو پڑھنا شروع کیا۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَیْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝ یُوْلِجُ الَّیْلَ

اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں سب جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہ زبردست حکمت والا ہے اسی کی سلطنت ہے آسمان اور زمین کی وہی حیات دیتا ہے اور موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے وہی پہلے ہے اور وہی پیچھے۔ وہی ظاہر ہے۔ اور وہی مخفی ہے اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔ ایسا ہے کہ اس نے زمین و آسمان کو چھ روز میں پیدا کیا۔ پھر تخت پر قائم ہوا۔ وہ سب کچھ جانتا ہے۔ جو چیز زمین کے اندر داخل ہوتی ہے۔ اور جو چیز اس میں سے نکلتی ہے۔ اور جو چیز آسمان سے اُترتی ہے اور جو چیز اس میں چڑھتی ہے اور وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے خواہ تم لوگ کہیں بھی ہو اور

فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَهُوَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ o اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (الحدید)

وہ تمہارے سب اعمال بھی دیکھتا ہے۔ اسی کی سلطنت ہے آسمان اور زمین کی اور اللہ ہی کی طرف سب امور لوٹ جاتے ہیں۔ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور وہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ دل کی باتوں کو جانتا ہے تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔

جب یہاں تک پہنچے۔ تو شوکت الفاظ اور جلال خداوندی کے اس بلیغ بیان نے آنکھوں کے سامنے نئی دنیا کھول کر رکھدی۔ ایک طرف غضب الٰہی کا شعلہ خیز دوزخ نظر آنے لگا دوسری طرف لطف خداوندی کی اطمینان بخش جنت نگاہ کے سامنے جلوہ افروز ہوگئی۔ جب حضرت عمرؓ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ پر پہنچے۔ تو بے ساختہ کلمہ طیبہ زبان سے نکل گیا۔ اور اسی طرح ہاتھ میں تلوار لیے بہنوئی کے گھر سے نکل کر ارقم کے گھر کی طرف چلے ارقم کا مکان کوہ صفا کے دامن میں واقع تھا۔ اور شروع سے مومنین کی عبادت گاہ بنا ہوا تھا مسلمانوں نے حضرت عمرؓ کو یوں شمشیر بکف آتے دیکھا تو سخت پریشان ہوئے۔ لیکن حضرت حمزہؓ جو دنیا کے کسی خطرہ کو خاطر میں نہ لاتے تھے نہایت اطمینان سے بولے۔ کہ آنے دو۔ اگر اچھی نیت سے آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا۔ چنانچہ دروازہ پر دستک کی۔ آواز سن کر کواڑ کھولے گئے۔ حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو آنحضرت صلعم آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا

کہو عمرؓ! کیا ارادہ ہے؟ حضرت عمرؓ کی جھکی ہوئی آنکھیں ان کے عزم کا پتہ دے رہی تھیں تاہم حضرت عمر نے لڑکھڑاتی ہوئی زبان سے عرض کیا کہ حضور ایمان لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ آنحضرتؐ نے جوش مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ ارقم کے گھر میں جتنے مسلمان موجود تھے وہ بھی اس زور سے اللہ اکبر پکارے۔ کہ تکبیر کی صدائے بازگشت سے مکہ کی پہاڑیاں گونج اُٹھیں۔ اور دین اسلام کا بول بالا ہوا۔ حضرت عمرؓ کی طبیعت جوش کا سمندر تھی۔ وہ قوت جواب تک تخریب اسلام میں صرف ہوتی تھی۔ اب تعمیرِ دین کے لیے وقف ہوگئی۔ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے کفر کے دل پر اور بھی ہیبت چھا گئی۔ اور مسلمان بے روک ٹوک کعبہ میں نماز پڑھنے لگے۔

قریش کے لیے حضرت امیر حمزہ رضؓ کے اسلام لانے کا صدمہ نا قابل برداشت تھا۔ اب حضرت عمر کے اسلام نے اُن کو بالکل متوحش کر دیا چنانچہ ایک مجلس شوریٰ منعقد کی گئی۔ اور تدبیر کے گھوڑے دوڑائے جانے لگے آخر صلاح ٹھہری۔ کہ بنو ہاشم سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور رعایت سے باز نہیں آتے۔ ترکِ موالات کیا جائے۔ چنانچہ قبائل نے مل کر قطع تعلق کا ایک معاہدہ مرتب کیا۔ تاکہ ہاشمیوں سے روٹی بیٹی اور لین دین کے تعلقات نہ رکھے جائیں۔ تاوقتیکہ تنگ آکر حضورؐ کو قتل کے لیے حوالہ کر دیں۔ ادھر قبائل میں یہ قرارداد منظور ہوئی۔ ادھر ابو طالب نے تجربہ کی روشنی میں خطرہ کو بھانپا وہ مختلف قبائل کے متحد ہونے کی اہمیت کو خوب

سمجھتے تھے۔ چنانچہ عمر کے بوڑھے عقل کے جوان ابو طالب فوراً تمام خاندان کو لے کر پہاڑ کے ایک درے میں محصور ہو بیٹھے۔ تاکہ اچانک حملے سے خاندان محفوظ رہے۔ اور آنحضرت کی جان جوکھوں میں نہ پڑے۔ یہ درہ بنو ہاشم کا موروث اور شعب ابو طالب کے نام سے معروف تھا۔ محاصرہ کی شدت نے محصورین کو سخت تکلیف میں مبتلا کر دیا۔ کئی کئی دن تک کھیل تک اُڑ کر نہ گئی۔ صحابہ نے پتیاں اُبال اُبال کر پیٹ بھرا۔ چمڑے دھو کر آگ پر بھون بھون کر کھانے پڑے۔ بھوک کے بچوں کے رونے کی آوازیں مسلمانوں کے لیے سوہان روح تھیں۔ لیکن مشرکوں کے لیئے ایسی سامعہ نواز تھیں۔ کہ وہ انہیں سن سن کر خوش ہوتے۔ اور اپنی کامیابی پر ناز کرتے تھے۔ ہاشمیوں کی تکلیف اور مصیبت کی اس زندگی نے تین برس تک طول کھینچا۔ اگرچہ آنحضرت کا خاندان ابھی تک ایمان نہ لایا تھا۔ مگر نبی کے قرب نے اُن پر مصائب کے باوجود ایک کیف اور سرور طاری کر رکھا تھا۔ پیغمبر کے فیض صحبت سے مشرک ہاشمیوں کا آنحضرت کے لیے یہ ایثار ناواقف انسانوں کے لیے اک راز بن کر رہ گیا۔ اس لیے وہ ہاشمیوں کی اس حیرت انگیز پشت پناہی کو صرف خاندانی عصبیت قرار دیتے رہے۔ بے شک وہ مجبور تھے۔ کیونکہ عام دنیا دار نبی کے قرب کی اطمینان بخشیوں اور اعجاز نمائیوں سے واقف نہیں ہوتے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ خاندان والوں نے آنحضرت کو جتنا قریب سے دیکھا۔ اُنہیں نورٌ علیٰ نور پایا۔ اگرچہ وہ ایمان نہ لاسکے لیکن آپ کے محاسن اخلاق کے پہلے سے زیادہ قائل ہو گئے۔ اور ان کا

دل نہ چاہا۔ کہ نور کی اس شمع کو مخالف ہواؤں کے حوالے کر دیں۔ اِس لیئے اُنہیں جان سے لگائے رکھا۔

دوسرے قبائل میں جو لوگ بنو ہاشم کے قرابت دار تھے۔ ہاشمیوں کی اس بدحالی کو دیکھ کر خونِ جگر پیتے تھے۔ مگر سردارانِ قریش کے خوف سے۔ دم نہ مارتے تھے۔ ہشام عامری خاندانِ بنو ہاشم سے قرابت رکھتا تھا۔ ایک دن جو اُس کے دل میں رحم آیا۔ تو وہ اُٹھ کر ہاشمیوں کی دوسرے قرابت داروں کے پاس گیا۔ اور سب کو شرم دلائی۔ کہ تم کھا پی کر مزے اُڑاتے ہو۔ حالانکہ تمہارے عزیز محصور ہو کر فاقوں مر رہے ہیں۔ جنگجو قوموں کے افراد کا عجیب حال ہوتا ہے۔ کبھی ہاتھی سر پر سے گذر جائیں۔ تو اُن کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔ کبھی ذرا سی بات پر بھڑک اُٹھیں۔ تو طوفان اُٹھا دیں۔ ہشام کے طعنے سے زبیر۔ معطم بن عدی۔ عدی بن قیس۔ زمعہ بن الاسود۔ اور ابوالبختری بن ہشام حرم میں پہنچے۔ اور درِ حرم پر لٹکے ہوئے معاہدہ کو چاک کر دیا۔ پھر ہتھیار باندھ کر شعب ابوطالب میں بنو ہاشم کے پاس گیئے۔ غرض یہ تھی۔ کہ گھروں کو چلو۔ جو شخص تمہارے مزاحم ہوگا۔ موت کے گھاٹ اُتار دیا جائے گا۔ اس طرح تین برس کے بعد پھر بنو ہاشم گاؤں میں زندگی بسر کرنے لگے۔

عام الحزن خدا کی محبت کا دعوٰے بھی کیسی کٹھن منزل اور مشکل گھاٹی ہے۔ ایک مہم سر نہیں ہوتی کہ رکاوٹ کا دوسرا پہاڑ سامنے آتا ہے۔ آنحضرت کے مصائب کو لکھتے لکھتے قلم تھک جاتا ہے۔ مگر تکالیف کا لا متناہی سلسلہ ختم ہونے میں نہیں

آتا۔ انسانوں کی اولوالعزمیوں کی تاریخ کو دیکھو ایسا کوہ وقار اور صاحب عزم شخص کسی کو نہ پاؤ گے۔ نبوت کے دس سال پورے ہو چکے تھے شعب ابی طالب سے نکلے کچھ دن ہوئے تھے کہ تدبیر کے شاہسوار، محسن اور معاون چچا ابو طالب عمر کی اسی منزلیں طے کر کے سفر دنیا ختم کر گئے۔ اس صدمہ جانکاہ کا حال کوئی آنحضرت کے دل سے پوچھے۔ حضور کی زندگی کی پچاس برس میں ایک لمحہ ایسا نہ آیا تھا۔ کہ پیارے چچا کی طرف سے کبھی دل میلا ہوا ہو۔ نہ چچا پر ایسا دن آیا۔ کہ آنکھ گھری کی۔ ابو طالب ٹھنڈا سایہ تھے اور ان کی پناہ حصار سے زیادہ محفوظ تھی۔ ان کی موت نے خاندانِ ہاشم کو یتیم کر دیا۔

ابھی ابو طالب کا کفن میلا نہ ہونے پایا تھا۔ کہ حضور کی شریکِ زندگی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رض اپنی محبت اور ایمان کا غیر فانی نقش چھوڑ کر دنیا سے رحلت فرما گئیں۔ آپ مصیبتوں میں وجہ تسکین اور پریشانیوں میں صورت تسلّی تھیں۔ حضور نے بچشم پُرنم خود جنازہ قبر میں اتارا۔ تم قیاس کر سکتے ہو۔ کہ ان دو صدموں سے آنحضرتؐ کے لیئے دنیا کس طرح اندھیر ہو گئی ہو گی؟ چنانچہ اسلام کی تاریخ میں یہ سال عام الحزن یعنی سالِ غم کہلاتا ہے بیشک حضور بےکسی کے عالم میں خدا کی امداد چاہتے تھے۔ اور تکلیف کے وقت بھی اسی کا سہارا ڈھونڈھتے تھے۔ مگر عزیزوں کی موت کا غم تقاضائے بشریت ہے۔ دنیا میں محسنوں کے احسان کو فراموش کرنا حضور کے شایانِ شان نہ تھا۔ کاش تنہائیوں کے یہ مونس اور مصیبتوں کے یہ ساجھی اس وقت

تک زندہ رہتے۔ جب فتحِ مکہ کے بعد آمنہ کا لال عبداللہ کا بیٹا، رحمت اور عفو کا تاج پہن کر کوہِ صفا پر جلوہ افروز ہوا۔ مگر مشیتِ پروردگار یہی تھی۔ کہ اس کا بندہ دنیا کے سارے سہارے چھوڑ دے۔ اور سارے سلسلے توڑ دے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے۔ کہ پیغمبرِ آخرالزماں علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی ظفرمندیاں فلاں شخص کی شرمندۂ احسان ہیں۔

کہتے ہیں کہ شاعر میں شجاعت نہیں ہوتی۔ یہ سچ ہو یا جھوٹ۔ مگر تدبیر کا خانہ تو الاماشاء اللہ اکثر خالی ہوتا ہے۔ خیالی مضامین کے ہجوم سے دماغ میں ایک بغاوت سی بپا رہتی ہے۔ مگر ابوطالب شاعر بھی تھے اور مدبّر بھی ان کی تدبیروں کے سامنے قریش کے بڑے بوڑھے بھی طفلِ مکتب تھے وہ واقعات کا مطالعہ نظرِ غائر سے کرتے۔ اور دور رس عقل سے حالات کو بھانپ جاتے۔ تاہم نتیجہ جلد زبان پر نہ لاتے تھے۔ اسی لیے ان کے کفر اور ایمان کی بحث ایک معمّا بن کر رہ گئی۔ اس عقدہ کی جتنی گرہ کشائی کی جائے اتنا ہی اُلجھا ہوا نظر آتا ہے۔ بنا بریں کچھ لوگ تو اُن کے کفر کے قائل ہیں۔ کچھ ایمان کی تصدیق کرتے ہیں۔ جب ایک طرف ان کی غیر متزلزل محبت اور مسلسل جاں نثاریوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ تو ان پر ایک مومن کے اخلاص کا گمان گذرتا ہے۔ دوسری طرف آنحضرتؐ کو بلا کر تبلیغِ دین سے باز رکھنے کا مشورہ سامنے آتا ہے۔ تو حمایت کا سارا جوش خاندانی عصبیت اور محبت کا تقاضا معلوم ہوتا ہے۔ عقل کی نکتہ آفرینیوں کو چھوڑ کر نقل کی طرف رجوع کیا جائے تو وہاں بھی مختلف روایتوں کے

درجۂ اسناد میں چنداں فرق معلوم نہیں ہوتا۔ بخاری اور مسلم کی روایت یہ ہے۔ کہ ابو طالب کی وفات کے وقت آنحضرت بھی تشریف لے گئے۔ اور اقرار ایمان کی تبلیغ کی۔ اس کے جواب میں ابو طالب نے انکار کیا۔ ابنِ اسحاق کی روایت ہے۔ کہ ابو طالب نے کلمہ پڑھا۔ اور حضرت عباسؓ نے کان لگا کر سُنا۔ اوّل الذکر روایت مرسل ہے۔ دوسری میں ایک راوی رہ گیا ہے۔ لیکن صحیح بخاری اور مسلم کی روایت کا درجہ بہت بلند ہے۔

طائف

ادھر ان دو رفیقوں نے دنیا سے مُنہ موڑا۔ ادھر قریش نے پھر آنکھیں بدل لیں۔ نئے سرے سے اِکّے دُکّے مسلمانوں پر حملے شروع ہو گئے۔ ایک دن حضورؐ گھر آرہے تھے۔ کہ کسی شقی نے سر پر خاک ڈال دی حضورؐ کی صاحبزادی حضورؐ کا سر دھوتی تھیں اور زار زار روتی تھیں۔ بیٹی کی سسکیاں سُن کر آنحضرتؐ بولے۔ جانِ پدر امت رو۔ خدا تیرے باپ کی محافظت کرے گا۔ عبرت نے پھر حسرت کی آنکھ اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا اور کہا۔ کہ اے آسمان دنیا کے محسن کے ساتھ یہ معاملہ!

خدا کی راہ میں مصیبت اُٹھانے والوں کے اطمینانِ قلب کی نہ پوچھو۔ ان کے دل کا کوئی گوشہ غیر آباد نہیں ہوتا۔ سرورِ دوعالمؐ کی درد سے لذت آشنا جان خدا کی راہ میں لاکھوں مصیبتیں اُٹھا کر بھی نہ اُکتاتی۔ اور حضورؐ مکے میں ہی ساری عمر تکلیفیں اُٹھاتے چلے جاتے۔ مگر عمر کی کوتاہی اور ادائے

فرض کا خیال پیش نظر تھا۔ اِس لیے مکہ میں کامیابی کی راہیں مسدود پا کر طائف کو چلے۔ کہ شائد اسی جگہ نخلِ توحید پھلے پھولے اور بار آور ہو۔

طائف عرب کی ملکہ مکہ سے ساٹھ میل کے فاصلہ پہ واقع ہے۔ یہاں کی سبز پوش چراگاہیں اور زرخیز زمینیں، رنگیں ادا محبوب کے دلفریب تبسم کی طرح مسافر کی نگاہوں کے سامنے اُٹھتی ہیں۔ اس کے باغوں کی بہتات۔ سایہ دار درختوں۔ ثمرور شاخوں اور ٹہنیوں سے لٹکتے ہوئے انگوروں کو دیکھ کر راہرو "فردوس بر روئے زمیں" پکار اُٹھتا ہے خدا کی قدرت ہے کہ جو سرزمین دنیا کی دولت سے مالا مال ہوتی ہے۔ وہی نیکی کے لحاظ سے بنجر ہوتی ہے۔ بھلائی کا پودا وہاں قسمت ہی سے بار آور ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ شادمانی کی کل کائنات مہ جبینانِ نو خاستہ اور عروسانِ نو آراستہ ہوتی ہے۔ فارغ البال لوگ خوشیوں کی تلاش میں گمراہیوں کے صحرا میں کھو جاتے ہیں۔ سراب نما گناہ آنکھوں کے سامنے خوشیوں کی پُر فریب جنّت کھول دیتے ہیں۔ اور لوگ سرعت سے اُس کے پیچھے لپکتے ہیں۔ حتیٰ کہ سینۂ صحرا میں پہنچ کر مایوسیوں سے جان دے دیتے ہیں۔ طائف کے اربابِ اثر و اقتدار کا حال دنیا کے عام امرا سے کچھ مختلف نہ تھا۔ تاہم آنحضرتؐ غرورِ نسب کے نشہ میں سرشار قریش کی بستی کو چھوڑ کر خمارِ دولت سے مدہوش اہلِ طائف کے پاس تشریف لے گئے۔ زید بن حارثؓ جو رسمی غلامی سے آزاد ہو کر محبت کی زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے، آنحضرت کے ہمراہ تھے۔ اس جگہ عمیر کا خاندان

اوروں میں ممتاز تھا۔ عبد یالیل، مسعود اور حبیب تینوں بھائی اس خاندان کے سردار سمجھے جاتے تھے۔ آنحضرتؐ پہلے ان کے پاس ہی پہنچے۔ دولتِ دنیا سے تہی دست، شان و شوکت سے خالی، ایک خستہ تن مسافر کا کسی امیر کے ہاں جانا ہی گستاخی تصور کی جاتی ہے۔ پھر اس پر مستزاد یہ کہ وہ انہیں کوئی نیکی اور سعادت کی راہ بتانے جائے۔ امراء کی طبیعت بھلا ایسی بے ادبیوں کی متحمل کہاں ہوتی ہے۔ لگے مذاق اُڑانے اور بھانت بھانت کی بولیاں بولنے۔ ایک نے کہا۔ صاحب تجھے خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو تو کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے۔ دوسرا بولا ارے بھئی! یہ تو بتاؤ۔ تمہارے سوا خدا کو کوئی اور رسول نہ ملتا تھا۔ تیسرا پاس سے پکارا۔ میں بہر حال تجھ سے بات نہیں کر سکتا۔ اگر تو سچا ہے۔ تو تجھ سے گفتگو کرنا خلافِ ادب ہے اور اگر تو جھوٹا ہے تو گفتگو کے لائق نہیں۔

امارت اور اقتدار یہی کیفیت اور ذہنیت پیدا کرتے ہیں۔ امراء غریبوں کو خاطر میں نہ لانے کے خوگر ہوتے ہیں۔ دنیا کے آرام و آسائش کو غرباء کی دسترس سے باہر پا کر روحانی مملکت کے مدارج و مناصب کا قیاس بھی اسی پر کرنے لگتے ہیں۔ خیال کرتے ہیں۔ کہ پیغمبر ان سے کچھ بڑا انسان نہ سہی۔ مگر برابر کی ٹکر کا تو ضرور ہو۔ یہ کیا کہ خدا کا نبی خدم و حشم کے ساتھ نہ آئے۔ مکہ کے ارباب کبر و نخوت ہمارے یتیم آقا منکسر المزاج مولیٰؐ کو جب با ایں ہمہ دعوائے نبوت عجز سے گردن جھکائے، گلیوں میں تنہا چلتے پھرتے دیکھتے۔ تو اسی قسم کی باتیں کرتے تھے جو طائف کے ان ارباب

اقتدار کی زبان پر بے اختیار آ گئی تعیس - ان لوگوں کو کیا خبر کہ ظاہری د کے قانون باطنی سلطنت پر حاوی نہیں - وہاں تو جو گردن جھکاتا ہے بلندی پاتا ہے - جو اکڑتا ہے - نیچا دیکھتا ہے -

غرض یہ یاس انگیز اور عبرت خیز جواب پاکر آنحضرت ان امرا کے گھر سے نکلے - مگر جاتے کہاں - ان سب کارامراکو مدت کے بعد ایک مشغلہ ہاتھ آیا تھا - تفنن طبع کے لیے وہ پہلی گفتگو ناکافی تھی - اس لئے شہر کے اوباشوں کو اشارہ کیا گیا - اور امرا کے حاشیہ نشین لفنگے رسول کریم پر ٹوٹ پڑے - کچھ بازار کے لونڈے ہمراہ ہو لیئے اور گستاخیاں کرنے لگے وہ لوگ گالیاں بکتے تھے - اور تالیاں بجاتے جاتے تھے - یہ شورش سن سن کر شہر کے سب فکرے جمع ہو گئے - اور بازار میں دو رویہ کھڑے ہو گئے - دنیا کا محسن جدھر سے گذرتا تھا - یہ شقی اس پر پتھروں کی بارش کرتے تھے - حضور لہو لہان ہو گئے - تو بھی پیچھا نہ چھوڑا - آخر گھائل ہو کر زمین پر گر سے مگر کسی نے آپ پر رحم نہیں کھایا - بغل میں ہاتھ دے کر اٹھا دیئے گئے حضور اٹھ کر لڑکھڑاتے ہوئے چلے - پھر پتھر برسانے شروع کر دیئے گئے حضور یوں ہی زخموں سے چور چور - خون سے لت پت - سراسیمہ ہو کر طائف سے جوں توں باہر نکلے - شہر کے باہر تین میل تک بدمعاشوں نے آپ کا پیچھا کیا - آخر آنحضرت ایک باغ میں پہنچے - اور وہاں پتھروں کی بارش سے پناہ پائی - یہ باغ مکہ کے رئیس عتبہ بن ربیعہ کا تھا - جس نے عربی شرافت برتی اپنے غلام کے ہاتھ انگوروں کا ایک نہایت

عمدہ خوشہ بھیجا۔ آنحضرتؐ کے غلام نیک فرجام زید بن حارثہ دین و دنیا کے آقا کو بچانے بچاتے خود زخمی ہو گئے۔ تاہم اس بار عزیز اور متاعِ گراں کو جوں توں لے کر نخلہ کے مقام پر پہنچے۔ یہاں آنحضرتؐ نے چند سے قیام فرمایا۔ اور پھر مکہ تشریف لے گئے۔

پیغمبرؐ کا ہر عمل درس کی ایک دنیا ہوتا ہے۔ جو لوگ گوشِ ہوش رکھتے ہیں۔ وہ آنحضرتؐ کے دہانِ زخم سے تیرہ سو سال کی نکلی ہوئی اور فضا میں بکھری ہوئی آواز کو اب بھی سن سکتے ہیں۔ کہ محمدؐ خالق ارض و سما کے بس میں ہے۔ مگر خالق مخلوق کے بس میں نہیں دنیا کے قوی اور جری نبی اور ولی سب اس کے تابع فرمان ہیں کوئی اس کی مصلحت اور رائے کا مالک نہیں۔ طائف میں آنحضرتؐ کی بے بسی کی اس نمائش سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچ گئی۔ کہ کوئی بڑے سے بڑا انسان بھی خدا کی خدائی میں تصرف نہیں کر سکتا۔

فطرتِ انسانی کا نبض شناس آقا جانتا تھا۔ کہ امرا الا ماشاء اللہ اخذِ خیر کی قابلیتوں سے محروم ہوتے ہیں۔ طائف میں جانا یا نہ جانا اگر ان کے بس کی بات ہوتی۔ تو شاید ادھر کا رُخ نہ کرتے۔ مگر پیغمبروں کا ارادہ کسی اور ارادے کے ماتحت ہوتا ہے۔ وہ جاتے نہیں بلکہ لے جاتے جاتے ہیں۔ پیغمبر کو تو امیر و غریب تک پیغام پہنچانا ہوتا ہے۔ عمل کرانا اس کا فرض نہیں۔ علاوہ ازیں مشیت اس حقیقت کو اور واشگاف کرنا چاہتی تھی۔ کہ ہاتھی سوئی کے ناکے میں سے گذر سکتا ہے۔ مگر دولتمند کے لیئے

جنت میں جانا سہل نہیں۔ یہ سچائی بہت سے پیغمبروں نے بیان کی حضورؐ کے عمل سے مکّہ اور طائف میں ظاہر ہوئی۔ دونوں مقامات کے امرا کی مخالفت، امت کے ارباب اقتدار کے لیے تنبیہہ ہے۔ یاد رکھو۔ دولت اور اقتدار حرام نہیں ہاں ان کا نشہ حرام ہے۔ دنیا کماؤ تو اُمت کے کام میں لاؤ۔ خود استعمال کرو گے تو خمار چڑھے گا۔ دنیا کی ہوس کھو کر عاقبت خراب کرو گے۔

طائف میں حضورؐ کا ورود جہاں امرا کے لیئے تنبیہہ ہے۔ وہاں علمار کے لیے درسِ عبرت ہے۔ خدا کی بندگی کا دعوے محض زبانی عبادت پہ موقوف نہیں۔ بلکہ پتھروں کی بارش میں خون سے وضو کر کے نماز کی نیت کرنا پڑتی ہے۔ خوب سمجھ لو۔ کہ کارِ دنیا سے کارِ دین مشکل ہے۔ تقوٰی فروشیوں اور عبادت گذاریوں کی نشر و اشاعت سے متبعین کی تعداد میں اضافہ کرنا دین نہیں۔ ہاں جانکاہ خدمت گذاریوں سے بنائے ملّت کو استوار کرنا باعثِ اجر ہے۔ اس شمعِ ہدایت کی روشنی میں دین کا دشوار گذار رستہ ڈھونڈو۔ اِدھر اُدھر ہٹنے میں ٹھوکر کا احتمال ہے۔ حجروں سے نکل کر میدان میں آؤ۔ میدان ہی مخلص اور ریا کار کی امتحان گاہ ہے۔ اسلام کو دینِ مسیحی نہ تصور کرو۔ ایسا نہ ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مصیبتوں کو ملت کے گناہوں کا کفارہ سمجھ کر خود تن آسانیوں اور راحت پسندیوں میں مبتلا ہو جاؤ۔

قبائل میں تبلیغ

اس وقت تک تو لوگ انفرادی طور سے دینِ متین میں داخل ہوتے

رہے۔ مگر اس کے بعد اجتماعی قبولیت کا باب وا ہونے والا تھا۔ آنحضرتؐ کا معمول تھا کہ ایامِ حج میں زائرینِ حرم کے پاس جاکر تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ عام اجتماعات میں بھی تشریف لے جاتے تھے تاکہ خوشی کے جویا لوگ حقیقی شادمانی کی راہ پائیں۔ دعوتِ حق کے جواب میں رؤسائے قبائل یا تو روکھا سوکھا جواب دیتے رہے۔ یا بڑی مہربانی کی تو ٹال دیا۔ چنانچہ آنحضرت بنی حنیفہ کے پاس جو یمامہ میں آباد تھے گئے، تو وہ اس نرم گفتار آقاؐ سے گرم گرم بولے۔ قبیلہ بنو ذہل بن شیبان کے پاس حضرت ابوبکرؓ صدیق کو لے کر پہنچے۔ تو وہ لوگ بڑی مروت سے پیش آئے۔ ان میں سے ایک شخص مفروق نامی نے آنحضرتؐ سے پوچھا۔ کہ تم کیا تلقین کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا کہ خدا ایک ہے۔ اور میں اُس کا پیغمبر ہوں۔ اور یہ آیتیں پڑھیں :-

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ	کہہ دو۔ کہ آؤ میں تمہیں سناؤں۔ کہ خدا نے کیا چیزیں حرام کی ہیں۔ یہ کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ اور والدین کا حق خدمت بجا لاؤ۔ اور اپنے بچوں کو افلاس کے خیال سے قتل نہ کرو۔ ہم تم کو اور اُن کو دونوں کو روزی دیں گے فحش باتوں کے پاس نہ جاؤ۔ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ اور آدمی کی جان جس کو

وَصّٰکُمْ بِہٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (الانعام)

خدا نے حرام کیا ہے ہلاک نہ کرو مگر جائز طور پر۔ ان باتوں کا وہ تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

انہوں نے یہ سن کر مرحبا کہی مگر آبائی دین چھوڑنے سے معذرت چاہی۔

پھر حضورؐ قبیلہ بنو عامرہ کے پاس گئے۔ تو ان میں سے ایک دنیا دار لیڈر فراس نامی بولا۔ کہ اے کاش! یہ شخص مجھ کو ہاتھ آجائے تو میں تمام عرب کو مسخر کر لوں۔ پھر آپ سے پوچھا۔ کہ اگر مخالفوں پر غالب آئے۔ تو حکومت ہم کو دو گے؟ ہر طرح کے فریب سے پاک پیغمبرؐ نے فرمایا۔ یہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔ فراس بولا۔ مریں ہم اور حکومت غیروں کو ملے! یہ سودا مہنگا ہے۔

انہی گھنگھور مایوسیوں میں اُمید کی پہلی کرن پھوٹی۔ آنحضرت صلعم ایامِ حج میں اسی طرح تبلیغِ دین میں پھرتے پھراتے مکہ کے قریب مقام عقبہ کے پاس پہنچے۔ تو آپ کو چند سعید روحیں نظر پڑیں۔ آپ نے ان کا حسب نسب نام مقام پوچھا۔ معلوم ہوا کہ یہ خاکِ پاک مدینہ کے رہنے والے بنی خزرج کے قبیلہ کے لوگ ہیں۔ حضورؐ نے اُن کو دعوتِ دین دی۔ اور کلامِ پاک سنایا۔ نیک دلوں میں کلامِ الٰہی اور زبانِ پیغمبرؐ نے کیا اثر کیا۔ گویا گلزار میں بہار آگئی۔ پیارے نبی نے جو کہا۔ لوگوں نے گوشِ ہوش سے سنا۔ اور قلبِ صمیم سے قبول کیا۔ یہ فرشتہ سیرت انسان صورت کون

لوگ تھے ؟ عقبہ بن عامر۔ اسعد بن زرارہ۔ عوف بن حارث۔ رافع بن مالک بن عجلان۔ قطبہ بن عامر۔ جابر بن عبداللہ۔

عقیدت نے کہا " دیکھو یہ تہی دست آئے تھے۔ دامنوں میں دولت دین بھر کر چلے ہیں"۔ رافع بن مالکؓ کا ستارہ سب سے زیادہ چمکا۔ اس وقت تک جس قدر قرآن اُتر چکا تھا۔ حضورؐ نے انہیں عطا کیا۔ غرض تبلیغِ اسلام کا وعدہ کر کے یہ چھوٹا سا پاک قافلہ شاداں و فرحاں مدینہ پہنچا۔ اور یثرب کے گلی کوچوں میں دین کی دولت چپکے چپکے تقسیم ہونے لگی۔ ادھر مکہ میں قریش کے کفر کی آندھیاں اور تیز ہو گئیں۔ گرد و پیش بدستور تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ تاہم آنحضرتؐ کی نظر مدینہ کی طرف لگی رہی۔ کہ شاید یہیں سے روشنی کی باطل پاش کرن نکلے۔ ایک سال یونہی بیم و رجا میں گذر گیا۔ لیکن یثرب سے کوئی خوشخبری نہ آئی۔ اب پھر حج کا موقع آیا۔ تو آپ بصد شوق اس نو وارد قافلے میں جا کر ان چھ نورِ ایمان پانے والوں کو ڈھونڈھنے لگے۔ ادھر مدینہ سے بارہ اشخاص کا مختصر قافلہ حضورؐ کی زیارت کے لیے مکہ پہنچ چکا تھا۔ اور تلاش میں سرگرداں تھا۔ خدا کی مہربانی سے یہ چاند اور ستارے عقبہ کے مقام پر اتفاقاً جمع ہو گئے اور وہیں اس ماہتاب کے گرد حلقہ بنا کر بیٹھ گئے۔ ان میں پانچ تو پہلے سے اسلام قبول کر چکے تھے۔ اور سات نو مسلم۔ سب نے آنحضرتؐ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور اقرار کیا۔ کہ (۱) ہم خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور کسی کو اُس کا شریک نہ بنائیں گے (۲) چوری اور زنا کے پاس نہ پھٹکیں گے

(۳) اپنی لڑکیوں کو قتل نہ کریں گے (۴) کسی پر جھوٹی تہمت نہ لگائیں گے (۵) چغلخوری سے باز رہیں گے۔ (۶) ہر اچھی بات میں نبیؐ کی اطاعت کریں گے۔ یہ بیعت، بیعت عقبہ اولیٰ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بعثت نبوی کا بارھواں سال ہے۔ ان مسلمانوں کی درخواست پر حضورؐ نے مصعب بن عمیر کو مبلغ بنا کر مدینہ بھیجا۔ تاکہ اسلام کے احکام کو یثرب میں عام کریں۔ مصعب بن عمیر علم کے دریا، حلم میں یکتا تھے۔ اس نرم مزاج اور شیریں مقال کی باتیں دلوں میں چپکے چپکے گھر کرنے لگیں۔ اور دیکھتے دیکھتے مدینہ میں گھر گھر اسلام کا چرچا ہو گیا۔ جو لوگ تیغ و سناں سے مفتوح نہ ہو سکتے تھے۔ ان کے دل میٹھی باتوں سے مسخر ہو گئے۔ اسعد بن زرارہ کا مکان تبلیغ کا مرکز تھا۔ لوگ یہاں مخالفت کے لیئے آتے۔ مگر موافق بن کر جاتے تھے۔ مدینہ کی ایمان پرور اور کفر سوز سرزمین ایک سال میں اسلام کا گہوارہ بن گئی۔ اگلے سال دین پاک کا یہ کامیاب مبلغ تہتّر مرد اور دو عورتوں کا قافلہ لے کر حج کے موقع پر مکہ پہنچا۔ تاکہ حضورؐ کو اسلام کی ترقی کی خوشخبری بھی سنائے۔ اور آپ کے دیدار سے نورِ ایمان کو تازہ بھی کرے۔ یہ پچھتّر مرد و زن اپنے باقی بت پرست ساتھی قافلہ والوں سے الگ ہو کر مقامِ عقبہ پر آئے۔ آنحضرت کو ان کے آنے کی اطلاع پہلے ہو چکی تھی۔ چنانچہ حضورؐ قریش سے چھپ چھپا کر حضرت عباسؓ کے ہمراہ عقبہ (منے) پہنچے۔ ان سب نے اس خواہش کا اظہار کیا۔ کہ حضورؐ اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرزمینِ مدینہ کو فخر بخش کر ہمیں سرفراز فرمائیں

سرکارِ دو عالم نے منظور فرمالیا۔ حضرت عباسؓ جو ابھی تک ایمان نہ لائے تھے مگر
دل سے ہمدرد تھے۔ اس موقع پر کھڑے ہوئے اور تقریر کی کہ اے گروہ
خزرج محمدؐ اپنے خاندان میں معزز اور محترم ہیں۔ دشمنوں کے مقابلہ میں ہم
ہمیشہ اُن کے لیے سینہ سپر رہے ہیں۔ اب وہ تمہارے پاس جا رہے ہیں
اگر مرتے وقت تک اُن کا ساتھ دے سکو تو بہتر ورنہ ابھی جواب دے دو۔
براءؓ نے یہ تقریر سُن کر کہا۔ اے عباس ہم نے تیری بات سُنی۔ تو ہماری
بھی یاد رکھ کہ ہم نے تلواروں کی گود میں پرورش پائی ہے ابو الہیثم نے بات
کاٹ کر کہا۔ کہ یا رسول اللہ ایسا نہ ہو کہ جب آپ کو اقتدار حاصل ہو تو آپ
ہمیں چھوڑ کر وطن چلے آئیں۔ یہود کے ساتھ جو اس وقت تک خوشگوار
تعلقات ہیں وہ بھی اِس بیعت کے بعد ٹوٹ جائیں گے۔ حضورؐ نے
مسکرا کر فرمایا۔ نہیں تمہارا خون میرا خون ہے تم میرے ہو اور میں تمہارا حضورؐ
کے ارشاداتِ عالیہ سُن کر سب نے بیعت شروع کی عباس بن عبادہ انصاری
پکار کر کہا۔ صاحبو خبردار رہو کہ تم کس چیز پر بیعت کر رہے ہو۔ یہ عرب
و عجم جن و انس کے ساتھ اعلانِ جنگ ہے۔ سب نے بآوازِ بلند کہا کہ
ہاں ہم خطرات کو سمجھ کر بیعت کر رہے ہیں۔

مکّہ کے شریف اور مدینہ کے ان نجیب لوگوں میں جو پیمانِ وفا
بندھا۔ وہ پیمانہ عمر بھر نہ ہونے تک نہ ٹوٹا۔ ایک وقت وہ تھا جب
زمین پر سروں کی بارش ہوتی تھی۔ اعضا کٹ کٹ کر فرشِ خاک پر گرتے
تھے۔ اور خون کے چھینٹے اُڑتے تھے۔ پھر وہ وقت آیا جب فتح کے

دروازے کھل گئے اور اقبال نے آکر اسلام کا قدم چوما۔ مصیبت اور اقتدار دونوں حال میں یہ عہد استوار رہا۔ آنحضرت نے ان مبائعین میں سے حسب ذیل بارہ سردار مقرر فرمائے۔ تاکہ مسلمانوں میں نیکی کا چرچا رکھیں اور لوگوں کو برائی سے روکیں۔

۱۔ اسید بن حضیر رض	جنگ بعاس میں ان ہی کے باپ قبیلہ اوس کے سردار تھے۔
۲۔ ابوالہیثم بن تیہان رض	
۳۔ سعد بن خیثمہ رض	جنگ بدر میں شہید ہوئے۔
۴۔ اسعد بن زرارہ رض	ان کا ذکر آچکا ہے۔ یہ امام نماز تھے۔
۵۔ سعد بن الربیع رض	جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔
۶۔ عبداللہ بن رواحہ رض	مشہور شاعر ہیں۔ جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔
۷۔ سعد بن عبادہ رض	معزز اور مشہور صحابی ہیں۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں انہیں نے پہلے خلافت کا دعوےٰ کیا تھا۔
۸۔ منذر بن عمرو رض	بیر معونہ میں شہید ہوئے۔
۹۔ براء بن معرور رض	بیعت عقبہ میں انہی نے انصار کی طرف سے تقریر کی تھی۔ آنحضرت صلعم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے۔

۱۰- عبد اللہ بن عمرو رضؓ — جنگ اُحد میں شہید ہوئے۔

۱۱- عبادہ بن الصامت رضؓ — مشہور صحابی ہیں۔ ان سے کئی حدیثیں مروی ہیں۔

۱۲- رافع بن مالک رضؓ — جنگ احد میں شہید ہوئے۔

حضورؐ نے اہل مکہ کی ایذا رسانی کے اندیشہ سے مسلمانوں کو نقل مکانی کا حکم دیدیا۔ مومنین نے گھربار کی پروا نہ کی صرف دولت ایمان کو لے کر مدینہ پہنچے۔ مدینہ کے انصار نے باوجود تنگدستی کے مہاجرین کی آؤ بھگت میں وہ کشادہ دلی دکھائی جس کی مثال دنیا میں موجود نہیں۔ غریبانہ جھونپڑے انصار کے حُسن اخلاق کی وجہ سے مہاجرین کے لیئے شاہی محلات سے زیادہ آرام دہ ثابت ہوئے۔ آہستہ آہستہ سب قافلہ خطرے کے مقام سے نکل کر دارالامان میں پہنچ گیا۔ ہاں سالارِ قافلہ حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضؓ کے ساتھ دشمنوں کے نرغے میں ہی رہا۔ کیونکہ احکم الحاکمین کے حکم کا انتظار تھا۔

واقعۂ معراج

کارِ خیر میں سعیٔ ناکام جب کمرِ ہمت کو توڑ دے اور ناکامیوں کا غم دل کی عمارت کو ڈھا دے تو رحمتِ حق بہار دکھاتی ہے اور اچانک قلبِ حزیں میں مسرت کی لہر دوڑ جاتی ہے۔ اس کی بندہ نوازیاں الشان کو فرش سے اٹھا کر عرش پر لے جاتی ہیں۔ جہاں ننسامِ ازل مئے محبت باندازۂ جام

دیتا ہے۔ چشم فلک نے عبداللہ کے بیٹے بی بی آمنہ کے جائے کا سا عالی ظرف کب دیکھا تھا۔ حوضِ کوثر بھی جس کے جام سفالین کا ایک کونہ ہے طائف کے ہمت شکن سانحہ کے چند روز بعد خدا کا رسول دل گرفتہ ہو کر فرشِ حرم پر لیٹ گیا۔ رحمتِ حق نے خاک سے اٹھا کر افلاک تک پہنچا دیا کیونکہ دنیا و دین کی سربلندیاں ان خاکساروں کے لئے ہیں۔ فخر و غرور جن کی فطرتِ سعید کو چھو نہ گیا ہو۔ اللہ کی راہ میں جان کو جوکھوں میں ڈالنے والا رسول چشم زدن میں عرش پر پہنچا۔ ہفت افلاک کے سفر کی داستان طویل اور تشریح طلب ہے۔ لیکن جب تک راہِ حق میں سعی و عمل کی ناکامیاں شیشۂ دل کو چور چور نہ کر دیں۔ اس رفعت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جس کا نام معراج ہے۔

مدینہ

مدینہ اس زمانے میں شیطان کی دسترس سے دور نیک انسانوں کی اک محفوظ بستی تھی۔ یہاں کے اکثر باشندے وہ پیکرانِ صدق و صفا تھے جو دنیوی آلائشوں سے بالکل پاک تھے۔ اور شہرت پسندی جن کو چھو تک نہ گئی تھی۔ ذلیل فطرت کے پست احساسات تو کہاں۔ جاہ طلبی کی معصوم سے معصوم امنگ بھی اُن میں نہ تھی۔ اُن کی آنکھیں حیا کی خالق اور زبانِ خلق کی پروردگار تھی۔ اُن کے ایثارِ نفس کو کوئی اسلوبِ تحریر اور اندازِ بیاں پورا پورا ظاہر نہیں کر سکتا۔ انسانوں کا تو ذکر کیا۔ وہاں کی خاک کے ذرّے مہمانوں اور مسافروں کو دیکھ کر مسکرانے لگتے تھے وہاں کی ہوا بھی پاسِ عصمت کا اہتمام کرتی پھرتی تھی۔ ہجرت کے قبل آنحضرت کو خواب میں دار الہجرت کا نظارہ کرایا گیا تھا۔ گویا اک باغ پُر بہار نگاہوں کے سامنے پیدا اور ہویدا ہے۔ یہ اشارہ مدینہ کے دینی گلزار اور اس کی روحانی بہار کی طرف تھا۔ دنیا میں اُس وقت یہی ایک بستی تھی جو کچھ کچھ نیکی کی فضا میں سانس لیتی تھی، سعید روحیں اب تک بھی فراغتِ حج کے بعد اُسی کی پاکیزہ ہواؤں سے فیض یاب ہونے کے لیے جاتی ہیں۔ جہاں برکتیں اب بھی شبنم کی طرح برستی ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے مدینہ کے لوگوں کے اندر اخذِ خیر کی قوتیں کلی کی طرح بند تھیں۔ دین مبین کی

قبولیت کے بعد گویا وہاں فصلِ گل آگئی۔ نیکیاں چمنستانِ مدینہ سے اُٹھ کر نکہتِ جنّت کی طرح عالم میں پھیل گئیں۔ جب یہ جہانِ خوبی یعنی مدینہ آنحضرت کو خواب میں رنگ و بو کی تمثیل میں دکھایا گیا۔ تو حضور مثل کو اصل سمجھ کر مدت تک یمامہ کے شہر کو مقامِ ہجرت تصور کرتے رہے مگر یہ سعادت اور شرف بجز مدینہ کے کسی کو کب حاصل ہو سکتا تھا۔ اِسی گلکدہ میں اُس گلِ خوبی سروِ باغِ محبوبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آسودۂ خاک ہونا تھا۔ اس لیے مشیّت نے ازل سے ہی یہ شرف مدینہ کے لیے مخصوص رکھا تھا۔ ہر چند یمامہ برگ و بار فصل و اشجار کے لحاظ سے شاداب تھا۔ مگر مدینہ کی روحانی رعنائی اور اخلاقی زیبائی کے مقابلے میں دنیا کے گل و گلنار کیا حقیقت رکھتے ہیں۔

قریش نے مسلمانوں کو ہجرت سے روکنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ انھیں سخت اذیتیں دیں۔ مگر مسلمانوں کے لیے پیغمبر کے حکم سے سرتابی خُلد کی پاکیزہ ہواؤں سے دوری کے مترادف تھی بعض کے بیوی بچے چھین لیے گئے۔ بعض کے مال و املاک ضبط ہوئے۔ مگر ایمان کی دولت اور حق کی آواز ضبط نہ ہو سکی۔ مسلمان جو اس دار و گیر اور ضبطی و قرقی سے بے پروا تھے مدینہ پہنچے۔ اب آنحضرت تھے یا حضرت ابوبکرؓ اور علیؓ۔ حضورؐ خدا کے حکم کے منتظر اور یہ دونوں نبی کے حکم کے پابند بیٹھے تھے قریش کے لیے مذہب کی خدمت کے ساتھ عزیزوں کی مستقل مفارقت ایسے ناسور تھے جن کی سوزش اُن کے سینے ناقابلِ برداشت

تھی ۔ پھر یہ بھی اندیشہ تھا کہ مبادا اقبال اسلام کی یاوری کرے تو اُن کے لیے دنیا تنگ ہو جائے ۔ چنانچہ اُنھوں نے ایک فیصلہ کن مجلس مشاورت طلب کی تاکہ اس سرچشمۂ خیر و برکت کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیا جائے ۔ لیکن حرب فجار کا تلخ تجربہ خونریزی کے ہر فیصلے پر اُن کو لرزاں کر دیتا تھا ۔ قبائل کی باہمی جنگ کے خوف کو وہ دل سے دور نہ کر سکتے تھے ۔ ندوہ میں قریش کے جملہ سردار یعنی نرم گرم دونوں فریق جمع تھے ۔ نرم مزاج مخالفوں نے قید اور جلا وطنی کا مشورہ دیا ۔ گرم طبیعت دشمن سر دھڑ کی بازی سے کم کسی چیز کو پسند نہ کرتے تھے ۔ سب نے بہت سر مارا مگر خدا پرستی کے جرم کی کوئی موزون سزا ذہن میں نہ آئی ۔ بالآخر بڑی دماغ سوزی کے بعد دشمن دین ابوجہل کے کان میں شیطان نے یہ تجویز پھونکی کہ ہر قبیلہ سے ایک ایک شخص انتخاب کر کے سب یک بارہ محمد صلعم پر ٹوٹ پڑو اور تکا بوٹی کر دو اس کے اقربا جب سب سرداروں کی تلواروں کو خون سے رنگین دیکھیں گے ۔ تو دم نہ ماریں گے ۔ اس تجویز پر جہنم کے سب چھوٹے بڑے شیطانوں نے واہ وا کی ۔ فیصلہ ہوا کہ سرِ شام ہی کفر کی تاریکی ایمان کی تنویر کو گھیر لے ۔ ہاں عربی شرافت کے پیش نظر صرف یہ احتیاط کی جائے کہ حملہ آور زنانہ میں داخل نہ ہوں ۔ بلکہ آستانۂ مبارک کے باہر گھات میں لگے رہیں جونہی حضور صبح گھر سے نکلیں سب تلواریں سونت کر جا پڑیں ۔

اس چنڈال چوکڑی کے ناپاک منصوبوں سے پہلے پروردگارِ عالم کی طرف سے سرورِ کائنات کو ہجرت کا حکم مل چکا تھا ۔ چنانچہ ہجرت کے دو روز پہلے

بہ حکم پاک نبیوں کا سردار لوگوں کی نگاہوں سے ڈرتا بچتا دوپہر کے موزون وقت صدیق اکبر کے گھر پہنچا۔ اسلام کے دستور کے مطابق دروازہ پر دستک دے کر اندر آنے کی اجازت مانگی۔ حضرت ابوبکرؓ نے دروازہ کھولا۔ آنحضرت صدیق کے گھر میں چپکے سے داخل ہو گئے۔ اور مشورہ کے لیے تخلیہ چاہا۔ اُس وقت حضرت عائشہ ہی گھر میں موجود تھیں جن کی شادی ہو چکی تھی حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ اس گھر میں آپ کی اہلیہ کے سوا کوئی نہیں۔ حضور نے بیٹھتے ہی نوید ہجرت سنائی۔ معلوم ہوتا ہے۔ صدیق اکبرؓ ایک مدت سے ہجرت میں آنحضرت کی ہمراہی کے شرف کی آرزو کو دل میں پرورش کر رہے تھے۔ اُن کی مضطربانہ دعائیں اِسی دن کی سعادت کے لیے وقف تھیں۔ جونہی ہجرت کا حکم سنا بے تابانہ پوچھا۔ میرے ماں باپ آپ پر فدا کیا ہمراہی کا شرف مجھ کو بھی بخشا جائے گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا ہاں۔ حضرت ابوبکرؓ کا خیال آرزو بار آور ہوا۔ اور دل خوشی سے بلیوں اُچھلنے لگا۔ پیغمبر کی ہمراہی مومنین کا معراج ہے۔ اِس لیے اس شرف سعادت پر امیرالمومنین فرطِ انبساط سے رو دیے۔ اِس دورِ ابتلا میں حضور کی ہمرکابی کچھ سیر و تماشا نہ تھا بلکہ بڑی ہی جانبازی کا کام تھا۔ ہاں مجذوبانِ عشقِ محمد صلعم کے لیے راہ کے کانٹے پھول اور میدانِ امتحان تفریح گاہ ہو چکے تھے۔ اِس لیے منزل کے خطرات سے بے پروا محب کی آنکھوں کے سامنے محبوب کی ہمراہی کے بے پایاں فخر نے اپنے ستارۂ اقبال کے یوں چمک اُٹھنے پر بجز آنسوؤں کے تشکر اور امتنان کے اظہار کا اور کیا ذریعہ ہو سکتا تھا۔ جو مصیبت آ پہنے

پیغمبر کی ہمراہی میں آئے۔ شمع رسالت کے پروانوں کے لیے کتنی اطمینان بخش ہوگی۔ اس کی کیفیت کسی سے نہ پوچھو۔ بلکہ خود ہی اندازہ کر لو۔

حضرت ابوبکر رضؓ نے نہایت عجز سے عرض کی۔ کہ اس مبارک دن کے لیے ببول کی پتیاں کھلا کر میں نے دو اونٹنیاں پال رکھی ہیں۔ ان میں سے ایک کو پسند فرما کر میری عزت افزائی فرمائیں۔ آنحضرت نے ایک کی قیمت ادا کر دی۔ حضرت ابوبکر نے پاسِ ادب سے قیمت قبول کر لی۔ آنحضرتؐ انتظامِ سفر کر کے واپس چلے آئے۔ ہر چند دارالندوہ کی شیطانی محفل اور وہاں کی ناپاک سازش کا حال صیغۂ راز میں رکھا گیا تھا۔ مگر حضورؐ پر اشارہ ربانی سے سب کچھ منکشف ہوگیا۔ اور آنحضرتؐ نے راتوں رات مکہ سے نکل جانے کا حکم پایا۔ حضرت علیؓ کو طلب کر کے فرمایا۔ علیؓ ہمیں ہجرت کا حکم آ گیا ہے۔ تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو جانا اور صبح کو سب کی امانتیں واپس کر آنا۔ سیدِ لولاکؐ کی سیرتِ پاک کو دیکھو جانی دشمن بھی یہاں تک آپ کی امانت اور دیانت کے قائل تھے۔ کہ مکہ بھر کی امانتیں اسی امین کے سپرد تھیں۔ آج کی رات آنحضرتؐ کے بستر پر سونا موت کے منہ میں جانا تھا۔ مگر علیؓ موت سے کب ڈرتے تھے۔ باوجود اس خطرے کے علم کے جنابِ امیرؓ حضورؐ کے پلنگ پر بے کھٹکے سو گئے۔ ادھر جھٹ پٹے سے ہی دشمن گھات میں آ بیٹھے تھے۔ آنحضرت آدھی رات کو اللہ کا نام لے کر باہر نکلے۔ حضورؐ کی موت کے خواہاں خود موت کی چھوٹی بہن کی آغوش میں پڑے اونگھ رہے تھے۔ آنحضرتؐ سورۂ یٰسین

تلاوت فرماتے بغیر مزاحمت کے نکل کر حضرت ابوبکر کے گھر جا پہنچے ۔ جناب امیرؓ آنحضرت کے پلنگ پر اس طرح پڑے تھے گویا کوئی عالی قدر شہزادہ محفوظ محل میں نرم بستر پر آسودۂ خواب ہو۔ اور کسی شیریں خواب کے پُر بہار نظارہ نے اُس کے دماغ کو رشکِ صد گلزار بنا رکھا ہو۔ ساری رات دین کے دشمن کمین گاہ سے نکل نکل اور دیدے پھاڑ پھاڑ کر آنحضرتؐ کے پلنگ کو دیکھتے رہے ۔ جناب امیر کو آنحضرت کی جگہ پر پاکر اطمینان کر لیتے تھے ۔ آخر پیغمبرؐ پاک کے بستر پر جوانی کی نیند لیتے حضرت علیؓ کو صبح ہوگئی تو ظالموں نے آپکڑا ۔ آنحضرت کی بجائے جناب امیر کو پاکر بہت سٹ پٹائے ۔ اور ماتھا کوٹنے لگے ۔ حرم میں لے جاکر حضرت علیؓ کو محبوس کر رکھا ۔ کسی نے کہا کہ تم اس شغل کو چھوڑ کر اصل شکار کو دیکھو۔ دوڑ دھوپ کرو ابھی بہت دور نہ گیا ہوگا ۔

ہجرت

دیکھو تعاقب کے خوف سے آنحضرتؐ اور حضرت ابوبکرؓ راتوں رات مکہ چھوڑ کر جا رہے ہیں ۔ اہلِ وطن کے ہاتھوں بے وطن ہو جانے کے حسرت زا منظر کو تصور میں لاؤ ۔ اور دیس چھوڑ پردیس جانے والوں کی کیفیتِ قلب کا اندازہ کرو۔ پیارے نبی کو وطن عزیز خلد بریں کے پُر بہار گلزار کی طرح نظر آتا تھا ۔ جس خاکِ پاک کے آغوش میں پل کر جواں ہوئے وہ عالمِ افلاک سے بہتر دنیا اب چھٹی جا رہی ہے ۔ اس بچھڑنے والے دیار کے

کوچہ و بازار کا تصور آرہا ہے۔ سینہ میں ایک آگ سی لگی جاتی ہے۔ محبوب ملک کی پاکیزہ ہوائیں، کوہ و صحرا کی فضائیں آنکھوں میں پھرتی ہیں۔ صبر و رضا کے اس مجسمہ نے ہجرت کے وقت حسرت بھری نگاہوں سے مکہ کی طرف دیکھا۔ دل میں ایک ہوک سی اُٹھی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ کہ مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے عزیز ہے۔ لیکن تیرے فرزند مجھے رہنے نہیں دیتے۔

کم گو پیغمبرؐ کے یہ مختصر الفاظ وطن کی غیر محدود محبت کے حامل ہیں یہ چھوٹا سا فقرہ سینے کی ہزار حسرتوں کا مظہر ہے۔ وطن سے چھُٹ کر حسرت سے آنسو بہانا کمزوری کی علامت نہیں بلکہ شریف دل میں لطیف جذبات کی شہادت ہے۔ حضور کے حسرت بھرے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے پیش نظر کتنا عظیم الشان مقصد تھا۔ ورنہ کون یونہی اپنے ملک و دیار کے باغ و بہار چھوڑ کر غریب الوطنی کی خلش خار سے تلووں کو فگار کرتے نکلتا ہے۔ ہاں جو ہمت کر کے آمادۂ ہجرت ہوتا ہے وہ مقاصد و مطالب کو پہنچ جاتا ہے۔ تم نے شائد ہی کسی ایسے شخص کا ذکر سُنا ہوگا جو مصیبتوں سے نجات پانے کے لیے وطن سے نکلا ہو اور اُسے چھٹکارا نہ حاصل ہوا ہو۔ آنحضرتؐ کا اس کس مپرسی کے عالم میں دیس سے پردیس جانا پھر عزت و اقتدار سے چند برس کے بعد واپس آنا اس امر کے شاہدِ عادل ہیں کہ حرکت میں برکت ہے۔ اور ہجرت سے سرداری ملتی ہے۔

غرض یہ آفتاب و ماہتاب گھروں سے نکل کر بنا بر احتیاط جبلِ ثور

کے غار میں جا چھپے۔ تاکہ لوگ جب تلاش سے تھک کر واپس چلے جائیں تو منزل مقصود کو چل دیں۔ یہ غار مکہ سے تین میل داہنی جانب واقع ہے۔ صدیق اکبر رضؓ کے بیٹے عبداللہ دن بھر قریش کی نقل وحرکت کی دیکھ بھال کر کے رات کو آکر حضورؐ کو اطلاع دیتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کی بڑی بیٹی اسما گھر سے کھانا لایا کرتی تھیں۔ اور یارِ غار کا غلام شام کے بعد بکریاں چراتے چراتے وہاں آنکلتا دونوں کو دودھ پلاتا اور بکریوں کے نقشِ پا سے حضرت اسماؓ کے قدموں کے نشان بھی مٹاتا چلا آتا۔ ادھر اہلِ مکہ کی سنو وہ آنحضرت کے نقشِ پا کے سُراغ پر پہلے حضرت ابوبکرؓ کے گھر پہنچے۔ ابوجہل نے حضرت اسماءؓ سے دریافت کیا۔ کہ لڑکی تیرا باپ کہاں ہے۔ حضرت اسماءؓ نے لاعلمی ظاہر کی۔ ابوجہل نے اُن کے منہ پر اس زور سے طمانچہ مارا کہ کان کی بالی زمین پر گر گئی۔ یہاں سے سُراغ لگاتے لگاتے وہ لوگ غار کے قریب پہنچ گئے۔ اُن کی پاؤں کی آہٹ پاکر یارِ غار کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ گھبرا کر کہا حضورؐ دشمن سر پر آپہنچا۔ صدیقِ اکبرؓ سر تا پا اضطراب تھے اور مخبرِ صادقؐ ہمہ تن اطمینان۔ جب ابوبکر کا اضطراب زیادہ بڑھا ہوا پایا۔ تو محبوب نے محب سے فرمایا۔

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا — غم نہ کر اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اس خوف کے وقت پر یہ اطمینان صرف نبیوں کا شیوہ ہوتا ہے۔ بہادری اور چیز ہے۔ صبر و رضا کی راہ دوسری۔ مضطربانہ مقابلہ بہادری ہے۔ خطرے میں اطمینانِ قلب کسی اور کیفیت کی طرف اشارہ ہے۔

رسولِ خدا اور صدیقؓ کو اللہ پر بھروسہ تھا۔ وہ دونوں اسی بھروسے کے سہارے خاموش بیٹھے رہے۔ بچانے والے کے ڈھنگ نیارے ہیں۔ دشمن اِدھر اُدھر دیکھ بھال کر چلے گئے۔ غار کی تنگی اور تاریکی کی وجہ سے پناہ گزینوں کا کسی کو گمان بھی نہ گذرا۔ چوتھے روز نورِ وحدت سے جھلملانے والے ستارے غار کی تاریکیوں سے نکلے۔ بی بی اسما کھانا لے کر پہنچ گئیں۔ حضرت ابوبکرؓ کا غلام اونٹنیاں لے کر آحاضر ہوا۔ دونوں مبارک سوار سبک رفتار اونٹنیوں پر چڑھ بیٹھے۔ اچانک بی بی اسما کو خیال آیا کہ توشہ دان کے مُنہ باندھنے کا تسمہ تو گھر میں ہی بھول آئی ہوں جھٹ کمر بند کو پھاڑ کر توشہ دان کپڑے سے باندھا۔ آنحضرتؐ بی بی اسما کی اس بات سے بہت خوش ہوئے اور اُنہیں ذات النطاقین (دو کمر بندوں والی) کا لقب دیا۔

دل سے آواز اُٹھی اے دو کمر بند والی بی بی تیرا یہ خطاب دو جہان کا شرف ہے۔ دنیا کی دولت کے سارے خزانے اس شرف کو حاصل کرنے کے لیے ناکافی ہیں۔ پھر دل سے ہی اس کا جواب سُنا۔ کہ صحابیہ کے شرف کو رشک کی نظر سے دیکھنے والے صرف نبوت کا دروازہ ہی بند ہوا ہے لیکن امت کے لیے شرف و عزت کے بہت سے اور ابواب کھل گئے ہیں۔ نیکی کا رشک بھی بے شک ایک طرح کی نیکی ہے مگر خیال کی دنیا سے نکل کر عمل کی جنت میں داخل ہو۔ قرونِ اولےٰ کے مسلمانوں کے رشک میں بیٹھے رہنے کے بجائے دنیا کی جدوجہد میں مصروف ہو کر

رسولؐ کے دین کو روشن کرے۔ زندگی میں خدا کا نام بلند کرنے کی سعی جاری رکھے کیا عجب کہ موت کے بعد خداؑ اور رسولؐ کی طرف سے تو کسی بڑے سے بڑے قابلِ فخر خطاب اور القاب سے نوازا جائے۔

دیکھو مدینہ کی طرف دو سانڈنی سوار جا رہے ہیں۔ اُن کی صورتیں شمع کی طرح جگمگا رہی ہیں۔ آفتاب کی تمازت سے کوئی کہدے کہ اتنی تیزی نہ دکھائے کیوں کہ سردارِ انبیاؑ اور امیر المومنینؓ جا رہے ہیں۔ غبارِ راہ کو کہ اُڑ کر ضائع نہ ہو جائے۔ آنے والی نسلوں ہیں کہ وڑوں مسلمانوں کی آنکھیں اسے سرمہ بنانے کے لیے ڈھونڈھیں گی۔ مگر آفتاب اور غبار نے نہ صرف ان خواہشوں کی تکمیل سے انکار کیا بلکہ بیش از بیش شدت اختیار کی آخر دونوں سوار گرد و غبار اور تمازت آفتاب سے مجبور ہو کر ایک چٹان کے سایہ کو دیکھ کر رُک گئے۔ یارِ غار نے سواری سے اُتر کر زمین صاف کی اور چادر بچھائی۔ آنحضرتؐ ذرا سستانے کے لیے بیٹھ گئے صدیقِ اکبرؓ تلاش کر کے ایک چرواہے سے تازہ دودھ دوہ کر لائے۔ تھوڑا سا ٹھنڈا پانی ملا کر حضور کی نذر کیا۔ آنحضرتؐ نے اس سایہ میں قدرے آرام پایا۔

دل نے حفظِ مراتب سے بے پروا عناصر پر ہزار افسوس کیا۔ مگر اُن سے ایک جواب پایا۔ کہ اے شرفِ انسانی کی حقیقت سے ناواقف شخص کیا کہتا ہے۔ دنیا و آخرت میں صرف وہی سربلند ہے۔ جو عناصر کی ستم آرائیوں کا بہادرانہ مقابلہ کرتا ہے۔ آرام طلب اور راحت جو لوگوں کے لیے دنیا اور آخرت دونوں میں بنجر ہے۔ نہ یہاں کاشت نہ وہاں برداشت۔

جب آنحضرت کی تلاش میں ناکامی ہوئی - تو قریش نے ذاتِ گرامیؐ کی گرفتاری کے لیے ایک انعامی اشتہار جاری کیا - کہ جو حضورؐ کو پکڑ لائے گا وہ ایک سو اونٹ انعام پائے گا - بہت سے بیکار اس اشتہار کو دیکھ کر قسمت آزمائی کے لیئے نکلے - ان میں سراقہ بن جعشم بھی تھا - یہ غار سے عین روانگی کے وقت پہنچا - اور بے تابانہ پیچھے لپکا - خدا کی حکمت کہ وہ جونہی قریب آیا گھوڑے نے سکندری کھائی - سوار خود فرش راہ ہو گیا - تاہم سنبھلا اور ترکش سے فال کے تیر نکالے - قسمت سے نفی کا جواب پایا انعام کی امید پر تقدیر سے لڑ جانے والا عرب مایوس نہ ہوا - پھر باگیں اٹھائیں اب کے گھوڑا دلدل میں دھنس گیا - دل میں ڈرا کہ میں تو خدا کی قید میں پھنس گیا - پھر فال دیکھی - مگر جواب خلاف امید پایا سمجھا کہ یہ تو کچھ اور آثار ہیں - چنانچہ نہایت عاجزی سے سرکارِ دو عالمؐ کو آواز دی - اور امان کی تحریر مانگی - حضورؐ نے درخواست قبول فرمائی - حضرت ابو بکرؓ کے خادم عامر ابن فہیرہ نے جو ہمراہ تھا چمڑے کے ٹکڑے پر امن کا فرمان لکھ دیا ساتھ ہی حضورؐ نے فرمایا - کہ اے سراقہ میں تو تیرے ہاتھ میں کسریٰ کے کنگن دیکھتا ہوں - اس وقت تو سراقہ نے شاید اس بات کو خوش خیالی یا حوصلہ افزائی سمجھا ہو مگر اُس کی زندگی یعنی حضرت عمرؓ کے عہد میں ایران فتح ہو گیا غنیمت میں سونے کے دو قیمتی کنگن آئے - آقا کی پیشگوئی غلاموں کو یاد تھی حضرت عمرؓ نے سراقہ کو جو مسلمان ہو چکے تھے بلا کر وہ زیورات پہنائے - نبی کی وہ بات جو کسی کے وہم و گمان میں نہ تھی آخر پوری ہوئی -

سراقہ امن کی تحریر لے کر واپس ہوئے۔ تو راہ میں جو ملا اُسے یہ کہکر واپس کرتا گیا۔ کہ اس راستہ آنحضرت نہیں گذرے۔ چنانچہ مدینہ کے یہ مقدس مسافر قدرے اطمینان سے کر انتہائی بے سروسامانی سے قطع منازل کرتے بڑھے۔ راستے میں حضرت زبیر شام سے سامان تجارت لے کر آتے ہوئے ملے۔ پاک پیغمبر اور نیک ساتھی کو اس پریشان حالی میں پایا بیش قیمت کپڑے پیش کیئے۔ جو اس عالم بے سروسامانی میں خوشی سے قبول کر لیئے گئے۔ اس طرح آنحضرت منزل بمنزل آٹھ دن میں سفر طے کر کے دارالامان مدینہ کے قریب پہنچے۔

آمد آمد

حضورؐ کی آمد آمد کے ذکر اذکار سُن کر مدینہ میں خوشی کے گیت گائے جا رہے تھے۔ جوں جوں وہ راحت افزا گھڑی جس نے اہل شہر کے دلوں کو رشک صد گلزار بنا رکھا تھا قریب آ رہی تھی۔ لوگوں کا والہانہ جوش بڑھتا جاتا تھا۔ جب آفتاب مدینہ کی پہاڑیوں پر سونا بکھیرتا ہوا طلوع ہوتا تو ہزاروں پیر و برنا اور خوش و خرم ہستیاں اپنی امیدوں کے مرکز کو دیکھنے کے لیئے نکلتیں جہاں ذرا سا غبار اُٹھتا دل اُمید سے دھڑکنے لگتا جمال محبوب کا جو نقشہ سُن سُن کر ذہن میں جما لیا تھا اُس کی بنا پر ہر راہرو کو دیکھ کر یہ وہ کہتے کہتے تھک جاتے تھے۔ جوں جوں سورج چڑھتا جاتا۔ یہ کھوئے کھوئے پھرتے تھے۔ پہلے پہل تو دھوپ بھی مسرت خیز

امید کی وجہ سے سنہری چاندنی معلوم ہوتی تھی۔ مگر حضور کی آمد سے مایوس ہو کر دوپہر کو پھول سے چہرے کملا جاتے تھے۔ اور بڑی ہی حسرت سے گھر واپس آجاتے تھے۔ ایک دن انتظار سے اسی طرح تھک کر لوگ گھروں کو واپس جا چکے تھے۔ اچانک ایک یہودی نے مدینہ کے بیرونی قلعہ سے مدینہ کے ان دو مقدس مسافروں کو دیکھا اور قرائن سے پہچانا کہ یہ وہی سوار ہیں۔ چنانچہ اس نے پکار کر کہا اے گروہِ عرب۔ اے دوپہر کو آرام کرنے والو تمہاری خوش قسمتی کا سامان تو یہ آ پہنچا ہے۔ اُس کی تیز آواز زمین جو آسمان میں گونجی۔ شعر و موسیقی تو نہ تھی مگر ایسی وجد آفریں ثابت ہوئی کہ لوگ مست ہو کر گھروں سے نکلے۔ مردوں نے جلدی جلدی ہتھیار سجائے عورتوں نے جوڑے بدلے۔ تمام گھروں سے تکبیر کی آواز بلند ہونے لگیں۔ چہروں کی بشاشت اور لباس کی رنگا رنگی سے مدینہ دم بھر میں موسم بہار کے طاؤس کی طرح خوشنما پر پھیلائے نظر آتا تھا۔

آنحضرت نے بروز شنبہ مدینہ کی بالائی بستی قبا میں قیام فرمایا۔ یہاں انصار کے خاندان آباد تھے حضورؐ نے کلثوم بن الہدم کو جو خاندان عمر بن عوف کا سردار تھا اپنی مہمانی کا فخر بخشا۔ حضور کی مہربانی سے تمام خاندان کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ جس گھر میں رسول خدا قدم رنجہ فرمائیں اُس خاندان کے لوگ فخر نہ کریں تو کون کرے۔ وہ لوگ جوشِ مسرّت سے تکبیر کے نعرے لگاتے تھے۔ اور اپنی خوش قسمتی پر خود قربان ہوئے جاتے تھے تمام مہاجرین اور اکابرِ انصار یہیں آکر زیارت سے مشرف ہوئے۔ چند

دن کے بعد جنابِ امیر کوفتِ سفر سے چور مگر شاداں و مسرور قبا میں حضورؐ سے آملے۔

خُدا کا گھر

اس مجسمہ نمازو دعا نے سب سے پہلے خداوندِ برتر و توانا کی عبادت کے لیے کلثومؓ کی افتادہ زمین پر مسجد کی بنیاد ڈالی۔ دیکھو سردارِ دوعالمؐ مزدوروں میں شامل ہیں بھاری پتھروں سے کمر دوہری ہو رہی ہے عقیدتمند لپک کر ہاتھ بٹانے کے لیئے آتے ہیں حضورؐ سب کو منع فرماتے ہیں۔ اگر کبھی پتھر کسی کے حوالے کرتے بھی ہیں تو دوسرا اُٹھا لیتے ہیں عصرِ جدید کے مزدوروں کے سرمایہ دار حامیوں کو جاکر کہو کہ حمایتِ غربا کے زبانی دعوؤں سے درگزرو۔ آنحضرتؐ کی طرح قول و فعل میں مناسبت پیدا کر کے دکھاؤ۔ ایسے پاک مزدور کے پاؤں کی خاک کو کیوں سرمہ نہ بنائیں۔ جس نے چودہ سو سال پہلے سرمایہ اور محنت کی موجودہ کشمکش کو بھانپ کر دولتمندوں پر زکوٰۃ کا ٹیکس لگایا اور خود امیری پر فقیری کو ترجیح دی۔ باوجود بادشاہی کے غریبی میں بسر کی۔

سنو! خانۂ خدا کے مبارک معمار کس طرح تھکن مٹانے کے لیے گاتے ہیں۔ واہ کیا پیارا گیت ہے۔ ہمارا معمار سردار ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملا رہا ہے۔

۱ فلح من یعالج المساجدا وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے۔

ویقرء القرآن قائما وقاعدًا — اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے۔
ولا یبیت اللیل عندہ راقدًا — اور رات کو جاگتا رہتا ہے۔

توتِ متخیلہ کو کام میں لاکر عقیدت بھری نظروں سے اس سماں کو دیکھو کہ کسطرح ہزار در ہزار اور قطار اندر قطار قدسی عرش سے فرش تک پرے باندھے کھڑے ہیں۔ اور اس معمار پیغمبرؐ کی ہر حرکت قدم پر حسبنا اللہ حسبنا اللہ کہتے ہیں۔ آسمان سے برکتیں کس طرح مینہہ کی طرح برستی ہیں۔

اے آسمان کے پاک فرشتو ہمارے آقا کو ہمارا سلام عرض کر دو اور پاک نبی کے تمام آداب ملحوظ رکھکر بتاؤ کہ سچا مسلمان اب بھی دنیا کا ان تھک مزدور ہے۔ اُسے مانگنے سے عار ہے۔ محنت سے عار نہیں۔ کام چور نہیں کہ مزدوری ملے تو کام میں تساہل کرے۔ جو مزدوری پوری پاکر کام سے جی چراتا ہے وہ ہم میں سے نہیں۔

اے خدا بھاری بھاری پتھر ڈھونے والے نبیؐ کی طرح ہم کو بھی نیکی کی عمارت کھڑی کرنے اور انسانیت کی تعمیر کا موقع بخش۔ دنیا کی بڑی بڑی ذمہ داریاں اُٹھانے کی توفیق دے۔ ہمیں تمام قوموں کی سرداری عطا کر۔ اور ہمیں اس قابل بنا کہ ہم تیری مخلوق کی بہتر سے بہتر خدمت سر انجام دے سکیں۔ اس طرح بنی نوع انسان کی خوشیوں میں اضافہ کرسکیں

حضور کو قبا میں قیام فرمائے ہوئے چودہ دن ہو چکے ہیں۔ جمعہ کا روز ہے۔ اسلامیوں کے سردار کا آج مدینہ میں داخلہ ہے۔ اس مبارک دن کی صبح کیا سہانی ہے۔ خوش قسمت انصار کے جوش مسرت کو دیکھو

کس طرح ہتھیار سجے لباس بدلے شاداں و فرحاں ادھر اُدھر استقبال کے لئے دوڑے پھرتے ہیں۔ بچے خوشی سے پھول کی طرح ہنس رہے ہیں بچیاں کلی کی طرح مسکراتی ہیں۔ حیا سے جھکی ہوئی آنکھوں والی بیبیاں چھتوں پر انتظار میں کھڑی ہیں۔ اُن کے لباس کی رنگا رنگی نے ہر چھپت کو تختۂ گل بنا رکھا ہے۔ باغبان قدرت کے یہ گل بوٹے اپنے مہمان عزیز کی تشریف آوری کی خوشی میں نہال ہو رہے ہیں۔ قبا سے مدینہ تک لوگ دو رویہ کھڑے ہیں۔ قیاس کرو مسکرا کر دلوں کو مسخر کرنے والے پیغمبر کا جب پہلا قدم اُٹھا ہوگا عقیدتمندوں نے کس طرح ہٹو بچو کیا ہوگا۔ اگر کوئی ہماری زندگیوں کی ساری رنگینیاں اور دلچسپیاں لے کر بھی آخری نبی کی ہمرکابی کا موقع دے دے تو عمر بھر اس کے گرانبار احسان کے بوجھ سے گردن نہ اُٹھے۔ ایسا موقع ہمارے لئے ممکن نہیں۔ اب تو اُن کے نقش قدم پر چلنے ہی کی توفیق مل جائے تو بہت بڑی سعادت ہے۔ پیغمبرؐ کی پیروی ہی سچی محبت اور صحیح عقیدت ہے۔

غرض سرورِ عالم جوش اور عقیدت کے اس ٹھاٹھیں مارتے ہوئے دریا میں سے گذرے۔ اور بنی سالم کے محلہ میں پہنچے۔ نماز جمعہ اسی جگہ ادا فرمائی۔ اور خطبہ ارشاد کیا۔ خدا کے انعامات بے بہا کا شکریہ ادا کر کے اس جگہ سے روانہ ہوئے۔ جو جو محلہ راہ میں پڑا۔ وہاں کے انصار کی ملتجی آنکھوں اور منت پذیر زبانوں نے مہمانی قبول کرنے کی التجا کی۔ مگر حضور سب کو دعائے خیر و برکت دیتے آگے بڑھے۔

شہر میں داخلے سے خوشگوار منظر کا کونسا پہلو دلچسپ نہیں۔ مگر اس مرغوب منظر کا وہ حصّہ ازبس مسّرت خیز ہے۔ جب کہ گل و برگ سے نازک بدن۔ سراپا رشکِ چمن مگر حیا پرور اور پاک دامن بیبیوں نے چھتوں سے دھیمے سروں میں خیر مقدم کا ترانہ گاکر جنت الفردوس کو ٹلانا شروع کیا حیا اور عقیدت نے آوازمیں وہ اثر پیدا کر دیا کہ خلد کی حوریں کان لگاکر سنتی لیس نہ کرتی تھیں۔ سنو! ان نیک بیبیوں نے پاک نبی کی شان میں کیا ترانہ گایا۔

طلع البدر علینا	چاند نکل آیا
من ثنیات الوداع	کوہِ وداع کی گھاٹیوں سے
وجب الشکر علینا	ہم پر خدا کا شکر لازم ہے
ما دعی للہ داع	جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں

باغبانِ حقیقی کے گلزار کی کلیاں یعنی بنو نجار کی لڑکیاں دف بجا کر اور گیت گا گا کر اپنے روحانی باپ آنحضرت صلعم اور خاندانِ نجار پر فخر کر رہی تھیں ان کے بھولے چہروں پر معصومیت نثار ہو رہی تھی۔

نحن جوار من بنی نجار	ہم خاندانِ بنی نجار کی لڑکیاں ہیں
یا حبذا محمداً من جار	محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اچھا ہمسایہ ہے۔

وہ بہت خوش تھیں۔ مگر انہیں پتہ نہ تھا کہ ان کا باپ اُن سے کتنا خوش ہے۔ اُن کی آوازوں میں اپنے قابلِ فخر باپ سے پیار کی ایسی سفارش چھپی تھی۔ جس سے حضور بے اعتنائی نہ برت سکتے تھے۔ جونہی حضور ان کے قریب سے

گذرے تو ان بچیوں سے فرمایا کہ کیا تم مجھ کو چاہتی ہو۔ وہ طفلانہ سادگی سے بولیں ہاں حضور نے کمال خوش مزاجی سے فرمایا میں تم کو چاہتا ہوں۔

خاندانِ بنجار کی بلند اقبال بیٹیو! تم کیسی خوش نصیب ہو۔ فرشتوں نے تمہارے دامنوں کو آنکھوں سے لگایا ہوگا۔ حوروں نے تمہارے پاؤں کی خاک کا سرمہ بنایا ہوگا۔ بیشک جنہیں رسول کی محبّت کا دعوے ہو۔ اور رسول کو جن کی محبت کا دعوے ہو وہ اپنے بختِ بیدار پر جتنا فخر کریں کم ہے۔ بنو نجار کی بیٹیو ہر مسلمان کا دل چاہتا ہے۔ کہ اُسے آنحضرت کا زمانہ نصیب ہوتا اور خاکِ پائے پیغمبر کو سرمہ بناتا۔

اس زمانہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت کے بہت سے زبانی مدعی میری طرح حسرت سے کہتے ہیں کہ کاش ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیدا ہوتے۔ تو ہم آنکھیں فرشِ راہ کرتے۔ اور حضور کی جانثاری اور وفاداری میں خون پانی کی طرح بہاتے۔ مگر ان کی اس پرحسرت آرزو کو اُن کے عمل سے کوئی نسبت نہیں ہوتی۔

بعض معاملہ نافہم لوگوں نے لڑکیوں کے دف بجا کر گانے اور حضور کے منع نہ فرمانے پر ساز و سرود کا جواز نکال لیا۔ اسلام میں ہر اس چیز کی حرمت ہے جو انسان کے قویٰ کو مضمحل کر دے یا عسکری جذبات کے سوا کسی اور جذبہ کو بروئے کار لائے۔ میں سحر زا نغموں کی تاثیر کو جانتا ہوں موسیقی مجھے نفس کی محدود دنیا سے نکال کر کہیں کا کہیں لے جاتی ہے۔ لحن داؤدی سے گائے ہوئے شیریں شعر مجھے ہفتوں بے قرار رکھتے ہیں۔ اور

میں بن پیئے کے متوالا سا رہتا ہوں۔ اس کی حرمت کا قائل بھی ہوں۔ آواز تو قدرت کا عطیہ بھی ساز تو شیطان کا چرخہ ہے۔ ساز و آواز کی فتنہ زائیوں سے باز کون رہ سکتا ہے۔ ساز و آواز کے ساتھ حسن شامل ہو جائے تو زاہدِ شب زندہ دار رندِ خراب حال ہو جاتا ہے۔ اہلِ ذوق کے نزدیک موسیقی کا رنگ مزامیر کے بغیر بے کیف ہے۔ حسن کے بغیر راگ میں رنگ نہیں۔ اسلام رنگ رلیاں منانے والی قوم پیدا کرنا نہیں چاہتا۔ عدم جواز پر مسلمانوں کا یہ حال ہے شراب اور ساز مباح ہوتے تو ہمارا اعلیٰ طبقہ کچھ تو پی پلا کر گلی بازار میں پڑا لوٹتا اور کچھ رقص دیکھتا کر ہائے وائے میں عمر کاٹ دیتا۔ ہمارے دین و دنیا پہلے بھی خراب تھے اور بھی برباد ہوتے۔

اطمینانِ قلب کے لیے عرب کا وہ رہنمائے حقیقی اس سے بہتر چیز پیش کرتا ہے۔ اُس کے پاس معرفتِ الٰہی کے نہ ختم ہونے والے نغمے ہیں اور نشہ نہ اُترنے والی شراب ہے۔ اور وہ شفق کی رنگین وادیوں کے پرے ہی محبوب کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ دنیا کے سارے حسین جس کے آستانے کی اُڑتی ہوئی گرد ہیں۔ خدمتِ خلق کے پاک جذبے کو قلب کی گہرائیوں میں پرورش کرو۔ اُس کی مخلوق کے لیے کوئی قربانی کرو۔ ممکن ہے تم اچانک اُن وادیوں میں پہنچ جاؤ جہاں دنیا کا حسن ناقابلِ التفات اور موسیقی سمع خراشی سے کم نہیں ہوتی۔ کیا کیا جائے جن کو سمجھ نہیں انہیں یہ حقیقتیں سمجھائی نہیں جا سکتیں۔ اور جو جانتے ہیں اُن کو بتانے کی ضرورت نہیں۔ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ نوجوانو! تلوار ہاتھ سے رکھ کر ساز و مضراب نہ سنبھالو

نیکی اور خیر کے ارادے مصیبتوں کے پہاڑ سر پر اُٹھانے کے لئے اُٹھو۔ اطمینانِ قلب کی دولت انسانیت کی بے لوث خدمت کے بغیر میسر آئے گی۔ اور جب آ جائے گی تب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اقرار کرو گے کہ اس ہادی برحق نے سچ کہا تھا۔ موسیقی کو مذہب کا درجہ دینے والے دوستو! تم راگ کی کیفیتوں میں کھوئے کھوئے پھرتے ہو۔ بہت لوگ دنیا کی مصیبتوں سے تنگ زندگی کی دلچسپیوں سے ناآشنا موت کے آرزومند پھرتے ہیں۔ راگ کی رنگین وادیوں سے نکل کر غریبوں کو سنبھالو۔ انہیں بھیک منگے نہ بناؤ بلکہ ان کی اولاد کی تعلیم و تربیت کا سامان کرو۔ تم مخلوق پر احسان کرو خالق تم پر احسان کرے گا۔

محبتِ ذات اور سنت کی پیروی

یاد رکھنا چاہیے کہ نبیوں کی زندگی میں لوگوں پر دو قسم کے فرض عائد ہوتے ہیں۔ ایک تو اُن کی ذات کی حفاظت دوسرے اُن کی سنت کا اتباع مگر دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد صرف سنت کی پیروی کا فرض رہ جاتا ہے۔ نبیوں اور نیکوں کی موت پر اُن کی ذات سے محبت یقیناً موجب سعادت اور برکت ہے لیکن جب تک انکی سنّت کی پیروی نہ کی جائے صرف دعوئ محبت کافی نہیں حضور کی زندگی کے حالات پڑھنے سے یہ مقصود نہیں کہ آنحضرت کے اصحاب پر رحمت اور مخالفوں پر لعنت بھیجی جائے۔ بلکہ غرض یہ ہے کہ ہم اپنی سیرت کو آنحضرت کی سیرت کے انداز پر ڈھالیں۔ اسی طرح اہلِ دنیا

سے محبت اور قرابت والوں سے مروت برتیں۔ خدا کی توحید کا ڈنکا ہر ملک میں بجائیں۔ دنیا کے کاموں میں کاہلی اور سستی نہ کریں۔ دنیا میں ہی اہلِ جنت کی سی عادات پیدا کریں۔ اہلِ ملک سے امن اور صلح سے پیش آئیں۔ بیوی بچوں کے آرام اور راحت کا خیال رکھیں۔ رسول کریم کی طرح مکان لباس اور جسم کو پاک اور صاف رکھیں۔ غریبوں اور محتاجوں کو نفرت کے ساتھ خیرات نہ دیں۔ بلکہ اُن کی روزی کا مستقل طور پر بندوبست کریں تاکہ وہ بھی سہارا پاکر دوسروں کو سہارا دینے کے قابل ہو جائیں۔ ایسا نہ ہو انہیں بھیک مانگنے کی عادت ہو جائے۔ اپنے خاندان اور محلہ کے یتیموں کو تعلیم دلائیں۔ اور اُن کی صحت کا خیال رکھیں۔ تاکہ دنیا میں کامیاب زندگی بسر کرنے کے قابل ہو جائیں۔

حضورؐ اس امن اور برکت کی بستی میں سے گذرے حضرت ابوایوب انصاری کے گھر کے سامنے پہنچ کر رُک گئے۔ کہ شرفِ میزبانی کس کو حاصل ہو۔ التجائیں مسلمانوں کی نگاہوں میں سمٹ آئیں۔ آنکھوں نے دلوں کی کیفیت بیان کی۔ کون مسلمان تھا جو حضورؐ کو مہمان بنانے پر مصر نہ تھا۔ مگر ابو ایوب کی قسمت جاگی۔ آنحضرتؐ نے بنا بر قرابت ابوایوب کے گھر اُترنا پسند فرمایا۔ اسی مکان کے متصل حضور نے مسجد نبوی اور ازواج مطہرات کے حجروں کی بنا ڈالی۔ دو یتیموں کی اُفتادہ زمین مول لی اور خانۂ خُدا کی تعمیر شروع کی

اکثر اہلِ دین بعض دنیا داروں سے زیادہ اپنی شانِ امتیازی کو برقرار

رکھنے کے لیئے مضطرب ہوتے ہیں۔ وہ سب سے آگے چلتے ہیں سب سے نمایاں جگہ پر بیٹھتے ہیں۔ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ جب وہ گھر سے باہر نکلیں تو ہر کوچہ و بازار کے لوگ جھک جھک کر سلام کریں۔ بڑھ بڑھ کر ہاتھ چومیں اور قدم لیں۔ نیکو کاران بیماریوں سے پاک ہوتے ہیں۔ وہ عزت کرواتے نہیں ہاں دنیا اُن کی عزت کرتی ہے۔ حد سے گذرنے والے عقیدت مندوں کی وہ سختی سے باز پرس کرتے ہیں۔ خدا کے مقبول بندے انسانی برادری میں امتیازی حدود قائم کرنے سے ہمیشہ پرہیز کرتے ہیں وہ انسانوں کی عظیم الشان خدمت کے صلہ میں مخدوم بنائے جاتے ہیں۔ خود سیکرٹری اور صدر بننے کی تجویزیں نہیں سوچتے۔ ہاں اگر سوسائٹی اور جماعت کی فلاح کے لیئے کوئی درجہ قبول کرنے کی ضرورت ہو تو پھر شاندار کسرِ نفسی کا اظہار نہیں کرتے۔ بلکہ اس بار کو خوشی سے اُٹھا لیتے ہیں۔ پھر دیکھو کہ مسجد نبوی کی تعمیر ہو رہی ہے۔ دو جہان کے سردارؐ بغیر امتیاز کے اصحاب اور احباب میں مل کر مزدوروں کی طرح پتھر اُٹھا اُٹھا کر لا رہے ہیں۔ جب دنیا کا سردار مزدور تھکن مٹانے کے لیئے دوسرے مزدور دوستوں کے ساتھ مل کر یہ رجز پڑھتا ہے تو حوریں باغِ جنت کے پھول نچھاور کرتی ہیں۔ اور آسمان کے پاک فرشتے آمین آمین پکارتے ہیں۔ واہ کیا خوب رجز ہے۔

پہلا مصرع۔ انسانی سعی عمل کے لیئے مشعلِ ہدایت ہے۔ دنیا میں کامرانی مسرت۔ طاقت اور دولت کا حصول جبھی قابلِ ستائش ہے جب کہ اس کے حصول کے ذرائع قابلِ ستائش ہوں۔ ورنہ بُرے طریقوں سے

کمائی ہوئی دولت اور حاصل کیا ہوا عروج واقتدار مصیبتِ عظمی ہے۔ کامیاب زندگی کا نام اسلام ہے۔ مسلمان ناکارہ نامراد نہیں ہو سکتا۔ دنیا حاصل کرنے کی ہر کاوش نیکی ہے۔ اور اپنے اندر اجرِ عظیم رکھتی ہے۔ بشرطیکہ ذریعہ پہ نظر رکھی جائے۔ یاد رکھنا چاہیئے نیک نیت آدمی کو سعی ناکام کا غم نہ کرنا چاہیے۔ اس کا اجر بھی خدا کے خزانے میں محفوظ رہتا ہے۔ اس لیے نیک نیتی کے ساتھ رزق حلال اور کسب کمال کے لیے ہمتوں کو بلند رکھنا چاہیے۔ یہی عاقبت کی کامرانی کا ذریعہ ہے۔

غزوات

جب یہ مقدس معمار اپنے بابرکت ہاتھوں سے ان پاکیزہ دیواروں کو چن چن کر حجروں اور مسجد کو مکمل کر چکے۔ تو آنحضرتؐ نے اہل بیت کو بھی اس خیر و خوبی کے شہر میں بلا لیا۔ مکہ کے کوتہ اندیش لوگوں نے نورِ ہدایت کی نہ صرف رہنمائی قبول کرنے سے انکار کیا بلکہ اسے ظلم کا تختۂ مشق بنایا۔ یہاں تک کہ جبر صبر سے بڑھ گیا اور حضور کو ہجرت کا حکم آیا۔ ترکِ وطن کے بعد معلوم ہوا کہ قریش کا جوشِ جنوں فرو نہیں ہوا جس کی غریب الوطنی بھی اس کے لیئے امن کی ضامن نہ ہو سکے کیا کرے۔ ہجرت کے چند روز بعد سرداران قریش نے کاغذی گھوڑے دوڑانے شروع کیے۔ عبداللہ ابن ابی کو جو رئیس انصار تھا ایک تحکمانہ خط لکھا۔ کہ

انکم اویتم صاحبنا وانا نقسم باللہ لنقاتلنہ او تخرجنہ او لنسیرن الیکم باجمعنا حتی نقتل مقاتلتکم ونستبیح نساءکم

(سنن ابی داؤد صفحہ ۶۷ جلد ۲ باب خبر النضیر)

تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو۔ یا مدینہ سے نکال دو۔ ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کریں گے اور تم کو فنا کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔

عبداللہ ابن ابی ہجرت سے پہلے انصار کا بے تاج بادشاہ تھا۔ اس کی رسم تاجپوشی ادا ہونے والی تھی کہ تقدیر نے واقعات کا رُخ بدل دیا آنحضرتؐ عقیدت اور عزت کا مرجع بن گئے۔ عزت اور عقیدت کے اس انتقال سے عبداللہ کو ملال ہؤا۔ عبداللہ ہوشیار تو تھا مگر قوتِ فیصلہ کا مالک نہ تھا۔ آنحضرتؐ کے اقتدار سے خار تو کھاتا تھا۔ مگر دل کی کیفیت زبان پر نہ لاتا تھا۔ چنانچہ خم ٹھونک کر کبھی میدان میں نہ آیا البتہ پس پردہ تیر چلاتا رہتا تھا۔ مدینہ کے یہود جنہوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ امن و مدافعت کا معاہدہ کیا تھا قریش کی شہ پاکر آہستہ آہستہ منہ آنے لگے۔ سرکارِ دو عالمؐ نے نہ صرف مدینہ کے یہود سے معاہدہ کیا تھا۔ بلکہ مدینہ کے نواح میں بسنے والے تمام قبائل سے امن اور اتحاد کا پیمان باندھا تھا تاہم اہلِ مکہ کی ریشہ دوانیوں سے مدینہ کا امن مخدوش صورت اختیار کر رہا تھا۔ ذرا سا شرارہ مدینہ کے خرمنِ امن کو خاک سیاہ کر دینے کے لئے کافی تھا۔ باہر سے حملہ کے احتمال اور

اندر کی بدامنی کے خوف سے مسلمان رات آنکھوں میں کاٹتے اور دن کو مسلح رہتے تھے۔ اِن تشویشناک حالات کے باوجود مسلمان وحی الٰہی کی منتظر تھے۔ جارحانہ اور مدافعانہ دونوں لڑائیوں کی ضرورت تھی۔ جب چھیڑ چھاڑ شروع ہوجائے تو حملہ کی مدافعت کرنا اور خود بڑھ کر لڑنا ضروری ہوتا ہے جن لوگوں نے تیرہ برس باوصف انتہائی مظلومیت کے کبھی مخالفت پر ہاتھ نہ اُٹھایا ہو وہ بغیر حکم کے ہتھیار کب اُٹھاتے۔ آخر خدا نے ۱۲ صفر سنہ ۲ ھ کو لڑائی کی اجازت دی اور یہ آیت نازل ہوئی۔

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علی نصرھم لقدیر	جن سے لڑائی کی جاتی ہے (مسلمان) اُن کو بھی اب لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ کیونکہ اُن پر ظلم کیا جارہا ہے۔ اور خدا اُن کی مدد پر یقیناً قادر ہے۔

گویا انسانی قربانی کی آخری سرحد آپہنچی۔ شہادت کے رستے سو کھلے۔ بہشت کے دروازے کھول دیئے گئے۔ جنت سرفروشوں کا مقام ہے عافیت کوشوں کی جگہ نہیں۔ وہ جو سوسائٹی کی اشد ضرورت کے وقت عذر تراشتا ہے۔ اور جان جوکھوں میں ڈالنے سے گریز کرتا ہے خدا کی بدترین مخلوق ہے مستحق کرامت وہ ہے جو ملت کو خطرہ میں دیکھ کر تمام خطرات سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ جو اپنے بیوی بچوں کو خدا کے سپرد کرتا ہے۔ اور ملت کی سلامتی کے لیئے سینہ سپر ہو جاتا ہے۔ دوسروں کے

مال و املاک بچانے کے لیئے اپنا مال و املاک لٹاتا ہے۔ سر پہ کفن باندھتا ہے۔ خاک و خون کی بازی کھیلتا ہے۔ وہ خدا کی خوشنودی کا مستحق ہے اور بہشت کے گلزاروں کا وارث۔ قوم و ملت کے خطرے کے وقت زد و خورد سے جی چرانے والا خدا کا چور ہے۔ اس کی نمازیں دکھاوا اور روزے نمائش ہیں۔ باوجود بھی عبادتوں کے سزاوار سزا ہے۔ اس آیت کے قبل عام طور سے باہمی محبت حسن سلوک اور مالی ایثار کی قربانی کی آخری سرحد تھی۔ لڑائی کے اذن کے بعد اعمال میں بنیادی تغیر پیدا ہوگیا۔ میدان سے حیلہ و بہانہ سے بچنے والی اور صف میں کھڑے ہوکر پیٹھ دکھلانے والے کے تمام اعمال اکارت سمجھے جانے لگے۔ شہید کی تمام لغزشیں معاف تصور ہوئیں۔ ۱۲ صفر ۲ھ سے لے کر قیامت تک یہ قانون مسلمانوں میں جاری رہے گا۔ ملت کے خطرے کے وقت جہاد سے جی چرانے والا مسلمان نہیں منافق ہے۔

خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) حملہ کے خوف سے راتوں جاگا کرتے تھے۔ سرداران قریش کے خط سے اُن کے جنگی ارادے صاف ظاہر ہوتے تھے۔ اب خطرات سے بے پرواہ ہوکر غفلت کی نیند سو رہنا محض غلطی تھی۔ ہر دم آمادہ بہ پیکار قریش سے امن کی توقع فضول تھی۔ لڑائی کی اجازت کے کچھ عرصہ بعد باوجود آنحضرت اور مسلمانوں کی امن پسندی کے اہل مکہ نے کھلم کھلا چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔ چنانچہ مکہ کے رئیس کرز بن جابر فہری نے اچانک مدینہ کی چراگاہ پر چھاپہ مارا اور مال مویشی لوٹ کر

لے گیا۔

اس واقعہ کے بعد ضروری ہو گیا۔ کہ نہ صرف مدینہ میں بیٹھ کر شب بیداری کی جائے۔ بلکہ اہلِ قریش کی نقل و حرکت کی پوری نگرانی کی جائے۔ بنا بریں رجب سنہ ۲ھ کو آنحضرتؐ نے عبداللہ بن جحش کو ۱۲ آدمی ساتھ دے کر بمقام نخلہ بھیجا۔ اور ایک خط بھی دیا۔ اور ہدایت کی کہ اسے دو دن بعد کھولنا۔

عبداللہ نے خط کھولا۔ اس میں لکھا تھا۔ کہ نخلہ میں قیام کرو۔ اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ اور اطلاع دو۔ اتفاق سے قریش کے کچھ آدمی شام سے تجارت کا مال لیئے ہوئے سامنے سے گذرے۔ عبداللہ بن جحش کے ذہن میں سردارانِ قریش کا خط ان کی جنگی تیاریاں۔ مدینہ کے چراگاہ کا حملہ ہو گا۔ عرب کے جنگی آئین کے مطابق مسلمانوں اور قریش میں جنگ شروع ہو چکی تھی۔ ان واقعات کے بعد کسی نئے اور رسمی اعلان کی ضرورت نہ تھی۔ مسلمانوں نے اس قافلہ پر حملہ کر دیا۔ اہل قافلہ میں سے ایک شخص عمرو بن الحضرمی مارا گیا۔ دو گرفتار ہوئے۔ اور قافلہ کے مال کو مالِ غنیمت سمجھ کر عبداللہ نے آنحضرتؐ کے حضور میں پیش کیا۔ جب سارے واقعہ کی اطلاع آنحضرتؐ کو ہوئی تو حضور نے مال قبول کرنے سے انکار کر دیا اور عبداللہ سے بازپرس کی۔ صحابہ نے برہم ہو کر کہا عبداللہ تم نے وہ کام کیا جس کا تمہیں حکم نہ دیا گیا تھا۔ پروپیگنڈا کے فن میں مشاق قریش نے اس واقعہ سے طوفان اٹھا دیا اور آتشِ غضب کو تمام عرب کے سینوں میں بھڑکا دیا۔

حالانکہ یہی قریش اس واقعہ کے قبل مسلمانوں پر ایک عام حملہ کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھے ۔ اور مصارفِ جنگ بہم پہنچانے کے لیئے ایک بڑا تجارتی کارواں شام کو روانہ کر چکے تھے ۔ تاکہ سارا منافعہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں صرف کیا جائے ۔

غرض جو بلا حجت لڑنے پہ آمادہ تھے اب انہیں حجّت ہاتھ آگئی مدینہ پر حملہ اب یقینی اور چند روز کی بات تھی ۔ آنحضرتؐ نے صحابہ کو جمع کیا اور پیش آنے والے خطرات کا اظہار کیا ۔ مہاجرین میں سے حضرت ابوبکرؓ وغیرہ نے آنحضرت پر جان قربان کرنے کا اعلان کیا ۔ سرکارِ دو عالمؐ نے انصار کی طرف دیکھا ۔ تذبذب تھا کہ یہ کیا کہیں گے ۔ سعد بن عبادہ نے حضورؐ کی نظروں سے کیفیتِ قلب کو جانچا ۔ اور کہا خُدا کی قسم اگر آپ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں ۔ مقداد نے کہا ہم موسیٰ کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپ اور آپ کا خُدا جا کر لڑیں ۔ ہم لوگ آپ کے داہنے سے بائیں سے آگے سے پیچھے سے لڑیں گے ۔

جوش و ہیجان کے زمانہ میں لوگوں کے صرف کان باقی رہ جاتے ہیں عقل اور نظر جواب دے جاتے ہیں ۔ اتنی سکت نہیں رہتی کہ بات سوچیں اور پرکھیں ۔ کسی منتفنی نے مکہ میں یہ افواہ اُڑا دی کہ مسلمان شام سے آنے والے قافلہ کو لوٹنے آ رہے ہیں ۔ پھر کیا تھا اہلِ مکہ نے آؤ دیکھا نہ تاؤ ہتھیار باندھے جنگ کا سامان درست کیا آندھی کی طرح اُٹھے اور بدر کے مقام پہ آ کر ٹھہرے ۔ یہاں کسی نے بتایا کہ تمہارا قافلہ تو خطرہ کی

زد سے نکل چکا ہے۔ قبیلہ زہرہ اور عدی کے سرداروں نے کہا اب لڑائی فضول ہے۔ مگر قریش سرداراب کسی کی کب سنتے تھے۔ عدی اور زہرہ کے لوگ چلے گئے مگر آتش مزاج قریش آمادہ قتال ہو گئے۔

آنحضرت اہلِ مکہ کی یورش کی خبر پاکر ۱۲ رمضان ۲ھ کو مدینہ سے اُٹھے۔ شہر سے ایک میل باہر آکر اپنی مختصر سی جمعیت کا جائزہ لیا۔ شوقِ جہاد سے بے تاب کم عمر غازیوں کو اس پرخطر موقعہ پر جانے سے باز رکھا۔ ایک کم سن مجاہد عمرو بن ابی وقاص نے شاملِ جہاد ہونے کے لیے ہٹ کی جب واپسی کے لیے کہا گیا۔ تو وہ رو دیا۔ سالارِ عرب نے ہنس کر اجازت دیدی۔ وہ اور اُس کا بڑا بھائی دونوں اس عزت افزائی سے خوش ہو گئے آنحضرتؐ ۳۱۳ صحابہ کی مختصر سی فوج لے کر بدر کی طرف بڑھے۔ جہاں قریش پہلے پہنچ چکے تھے۔

جنگ بدترین فعل ہے۔ جس کا کوئی شریف حامی نہیں ہو سکتا۔ کون بھلا آدمی بچوں کے یتیم ہو جانے عورتوں کے سہاگ لٹ جانے۔ بازو کٹ کٹ کے بچھ جانے سروں کی بارش ہونے خون گر گر کر ندیاں بہ جانے کا متحمل ہو سکتا تھا۔ مجروحین کے سینوں سے جو درد انگیز نالے اُٹھتے ہیں جو خون کے فوارے چھوٹتے ہیں انہیں کون دیکھ اور سن سکتا ہے۔ ہاں صرف شقی القلب لوگ انسانوں کی مصیبتوں پر اطمینان کی نظر ڈال کر خوش ہو سکتے ہیں۔ ہاں ایسی جارحانہ جنگ سے پرہیز بہت بڑی نیکی ہے۔

لیکن جب خدا کو معبود ماننا ممنوع قرار دیا جائے۔ جب مردوں

پر تشدد کی بجلیاں گرائی جائیں۔ جب عورتوں پر ظلم و ستم توڑے جائیں اور جب ایسی تمام بدعتیں روا رکھی جائیں جن کی تفصیل گذر چکی ہے۔ اور جب شہر چھوڑ کر بھی جان نہ چھوٹے تو اُس وقت مدافعت شرافت اور جنگ ایک مقدس فرض ہے۔ اس مقدس فرض کا دوسرا نام جہاد ہے۔ جہاد سے گریز بزدلی ہے۔ بزدل کی دنیا تباہ اور عاقبت برباد ہے۔ قوم کے غدار کا کوئی عذر مسموع نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اے عزیزو! اپنے دلوں میں جذبۂ جہاد کی پرورش کرو۔ عمر میں کم از کم ایک دفعہ افواج میں شریک ہو کر جنگ کرو۔ اگر زندگی میں نہ ممکن ہو تو بدرجۂ اقل جہاد کی آرزو لے کر ہی مرو۔ یہ بات پورے طور سے ذہن نشین کر رکھو کہ ایثار اور قربانی ہی دین مبین کی جان ہے۔ جو شخص دوسروں کو خوشی راحت اور آرام پہنچانے کے لیے اپنے وقت مال اور جان کی قربانی کا خوگر نہیں۔ وہ عاقبت کار خوشی راحت اور آرام سے محروم کر دیا جائے گا۔ دوسروں کی خدمت کا متلاشی شریف آدمی ہے۔ قیاس کرو اس مجاہد سے بہتر کون ہے۔ جو مال و املاک کو چھوڑے۔ بال بچوں سے منہ موڑے اور اپنا خون دوسروں کی حفاظت کے لیے گرائے۔

جب آنحضرت نے مخالفوں کے ہاتھوں وطن چھوڑ کر بھی امن نہ پایا تو ناچار مدافعت کے لیے ہتھیار اُٹھانے پڑے۔ بدر کے میدان میں پہنچے تو دیکھا کہ قریش ایک ہزار کے لاؤ لشکر سے پڑاؤ ڈالے پڑے ہیں سو سواروں کا رسالہ ہے۔ سب روسائے قریش ہمراہ ہیں۔ رسد رسانی کا پورا

سامان ہے۔ جنگ کی تدبیر سے واقف قریش میدان کے بہترین مقامات پر قابض ہو چکے تھے محبوبِ خدا نے دیکھا کہ دشمنانِ دین میدان کے مناسب موقعوں پر قابض ہیں۔ جس طرف مسلمان آکر اُترے پانی کی قلت اور ریت کی کثرت تھی پاؤں ریت میں دھنس دھنس جاتے تھے۔ خباب بن منذر نے آنحضرتؐ کے حضور میں عرض کی۔ کہ اس مقام کا انتخاب وحی کے مطابق ہے یا جنگی تدبیر۔ حضورؐ نے فرمایا جنگی تدبیر۔ خبابؓ نے کہا۔ تو بہترین جنگی تدبیر یہ ہے کہ ہم بڑھ کر اس چشمہ پر قبضہ کر لیں۔ آپ کو یہ رائے پسند آئی۔ اور مسلمانوں نے چشمہ پر قبضہ کر لیا۔

آنحضرتؐ صحابہ کی آزادیٔ رائے کے بڑے قدردان تھے۔ وحی کی صورت میں تو آنحضرت خود مجبور ہوتے تھے۔ تدبیر کے معاملہ میں مشورہ قبول کر لیتے تھے۔ سلیم الفطرت صحابہ وحی کے حامل پیغمبر کے حضور میں بڑی جرأت سے رائے دیا کرتے تھے۔ اور سرورِ دوعالم مناسب رائے کو خوشی سے قبول فرما لیا کرتے تھے۔ آجکل کے ہادیانِ طریقت اور حامیانِ شریعت اپنے حضور میں لب کشا ہونے کو ہی زباں درازی سمجھتے ہیں۔ بہت سے باپ ہیں جن کے سامنے اولاد دم نہیں مار سکتی۔ بہت سے جابر خاوند ہیں جن سے بیوی ڈرتے ڈرتے کلام کرتی ہے۔ گویا اس شاہِ مطلق کی موجودگی میں گھر بھر غلام زادوں کی منڈی ہے۔ لوگ ایسے گھر کو مہذب گھر سمجھتے ہیں۔ اولوالعزم پیغمبر نے اپنی امت کو آزادیٔ رائے کا سبق دیا۔ آزاد قوم پیدا ہوئی۔ ہم بیوی بچوں کی بات سننا پسند نہیں کرتے۔ اس غلامانہ ذہنیت رکھنے والی

نسل کی افزائش کرتے ہیں۔ یہ لوگ نہیں جانتے کہ کمزور جسم اور کمزور دل کے آدمی سے عمدہ اخلاق اور اعمال کی توقع نہیں ہو سکتی۔

جو موقع جس قدر نازک اور اہم ہوتا ہے۔ اسی قدر آزادیٔ رائے اور بے باکی ضروری ہے۔ حباب بن منذر کی اس رائے سے ایک بڑی مصیبت سے نجات مل گئی۔ پیاس بجھانے کا سامان ہو گیا۔ اس کے علاوہ خدائے پاک نے نیک دل مجاہدوں پر اور احسان کیا۔ اس وادیٔ غیر ذی زرع میں خلاف توقع بادل اٹھا۔ اور جی کھول کے برسا۔ اس سے ایک تو ریت بیٹھ گئی۔ اور مسلمانوں نے مینہہ کے پانی روک کر حوض بنا لئے جو نہانے دھونے کے کام آئے۔ دوسرے دشمن کے لیئے یہ بارش بارانِ زحمت ثابت ہوئی۔ لڑائی کا مقام جو انہوں نے منتخب کیا تھا۔ وہ ریتلی زمین نہ تھی۔ اس لئے زیادہ بارش کی وجہ سے وہ زمین نقل و حرکت کے ناقابل ہو گئی۔ تاہم ساز و سامان سے محروم اور تعداد میں قلیل مسلمان سامنے تھے۔ قریش اپنے زعمِ باطل میں ان کو مار بھگانا اپنے بائیں ہاتھ کا کرتب سمجھے بیٹھے تھے۔ بعض صلح جو قریش کی کوششیں ابو جہل کی حجت تراشی کے باعث ناکام ہوئیں۔ حکیم ابنِ حزام جو صلح کل اور مائل بہ اسلام تھا۔ سردار فوج عتبہ کے پاس گیا۔ کہ حضرمی کا خون بہا مابہ النزاع ہے۔ وہ آپ کا حلیف تھا۔ اگر خون بہا آپ ادا کر دیں تو رہتی دنیا تک آپ نیک نام رہیں۔ اس طرح باہمی خوں ریزی رک جائے گی۔ آپ کا بول بالا ہو گا۔ نیک نفس عتبہ بولا مجھے منظور ہے۔ حکیم یہ خوشخبری

لے کر ابو جہل کے پاس پہنچے۔ وہ ترکش سے تیر نکال چکا تھا۔ بولا کہ معلوم ہوگیا۔ کہ عتبہ ہمت ہار بیٹھا۔ ادھر حضرمی کے بھائی عامر کو بلا کہ کہا لو بھائی تمہارا خون بہا سامنے آکر نکلا جاتا ہے۔ عامر نے دستورِ عرب کے مطابق نالہ وشیون آغاز کیا۔ واعمرہ واعمرہ کہہ کر کپڑے پھاڑے۔ خاک اُڑا کر سر پہ ڈالی۔ اس طرح صلح کی کوشش پر پانی پھر گیا۔ آتش انتقام سینوں میں بھڑک اُٹھی۔ جنگ کی آگ فوج میں مشتعل ہوگئی۔ عتبہ کے سینے میں ابو جہل کا طعنہ تازہ ہوگیا۔ وہ ہتھیار لے کر بھائی اور بیٹے کے ہمراہ پہلے میدان میں اُترا اور مبارز طلب ہوا۔ انصار میں سے عوف معاذ عبداللہ بن رواحہ مقابلہ کو بڑھے۔ عتبہ نے کہا یہ ہمارے پلّے کے نہیں۔ ان کو بھیجو جو ہمارے جوڑ کے ہوں۔ چنانچہ آنحضرتؐ کے حکم کے مطابق یہ تینوں انصار لوٹا دیے گئے۔ حضرت حمزہ علی اور عبیدہ مقابل ہوئے۔

لو کفر اور اسلام کی فیصلہ کن جنگ ہوا چاہتی ہے۔ مہابھارت کے یُدھ میں بہادر ارجن نے عزیز و اقارب کو میدانِ محاربہ میں صف بہ صف مقابل دیکھا۔ تو جی چھوڑ دیا۔ اور ہتھیار رکھکر شری کرشن سے بولا۔ مہاراج آج میرا من چنچل ہے۔ لیکن بدر کے میدان میں خدا کے سپاہیوں میں سے پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے نہ کہا کہ بھائی بندوں کے مقابلہ میں ہتھیار باندھنے پر من نہیں مانتا۔ آج باپ بیٹے سے الجھ گیا بھائی بھائی سے ٹکرا گیا۔ جگر گوشے تلواروں کے گھاٹ اترتے نظر آئے۔ سروں کے ڈھیر دکھائی دینے لگے۔ آہ جنگ ایک ناگزیر بُرائی ہے عقلِ انسانی

نے خون ریزی کا انسداد آج تک خون ریزی سے ہی کیا ہے۔ اگر ہاتھ باندھنے سے صلح ممکن ہوتی تو مسلمانوں کا سردار سب کا منت پذیر ہوتا۔ لیکن جب تک دنیا میں ابوجہل موجود ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امن پسندی کام نہیں آسکتی۔

نمازی اور غازی

قومی خطرے کے وقت انفرادی نیکی کی قیمت بہت کم رہ جاتی ہے جو عبادت گذار اور نیک شعار خطرے کے وقت سینہ سپر نہیں ہوتا۔ اس کی نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔ سچا مذہب وہ ہے جو انسان میں انفرادی اور اجتماعی دونوں طرح کی خوبیاں پیدا کرے۔ یعنی امن کے وقت دوستوں کا محبوب ہو۔ اور جنگ کے وقت غنیم کا دشمن ہو۔ ہر مذہب کی ابتدا میں انفرادی نیکی کے ساتھ اہل مذہب میں جنگی سپرٹ کا ظہور ہوتا رہا ہے جوں جوں اہل مذہب میں مذہبی روح فنا ہو جاتی ہے۔ ان میں جنگی قابلیت مفقود ہوتی جاتی ہے۔ قومی اور ملکی خطرے کے وقت وہ گوشوں میں پناہ پاتے ہیں۔ دشمن میدان خالی پاکر ملک کا امن برباد کر دیتا ہے۔ اور اہل وطن کے مال و دولت پر قبضہ جماتا ہے۔ بدر کے اللہ والوں کی زندگیوں کو دیکھو نماز کے وقت پانی سے وضو کرتے تھے۔ جنگ میں خون سے ہولی کھیلتے تھے۔ رات کو مصلوں پر بیٹھتے ہیں تو دن کو گھوڑوں کی پیٹھوں پر دکھائی دیتے ہیں۔ دیکھو جب تک مسلمانوں میں انفرادی اور اجتماعی نیکی موجود

رہی وہ دنیا میں سرفراز رہے۔ اور جب سے ملی اور ملکی خطرے کے وقت نفلی عبادتوں میں مصروف ہونے لگے۔ دنیا کے ہر گوشے میں اسلام بے توقیر ہو کر رہ گیا۔ یاد رکھو۔ امن کے وقت مخلوق سے حسن سلوک اور حسن معاملہ کا نام اسلام ہے۔ جنگ کے وقت سرفروشی سچا دین ہے۔ جو امن اور جنگ دونوں حالتوں میں مذہب کا فرماں بردار بندہ بنا رہے گا فلاح پائے گا۔ جو امن کے وقت بدمعاملہ اور بدقماش ہوگا۔ خطرے کے وقت جان چرالے گا۔ وہ آخرت میں سزا پائے گا۔ جس قوم کے افراد امن کے ایام میں بدکردار اور ناہنجار ہوں گے۔ اور خطرے کے وقت گھبرا جائیں گے۔ وہ دنیا کی حکومت سے محروم کر دیے جائیں گے۔ اُن پر ان سے بہتر قوم حاکم کر دی جائے گی۔

مسلمان ہر چند تعداد میں کم تھے۔ اور کفار ساز و سامان میں ان پر فائق تھے۔ لیکن سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک جان ہار تھا۔ کوئی بھی غدار نہ تھا۔ قریش کے دل میں محض غرور اور انتقام تھا۔ مسلمانوں کے پیش نظر دنیا کی سرداری اور عاقبت کی فلاح تھی۔ پھر مقابلہ کیا تھا۔ عتبہ حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے اور ولید حضرت علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہ کو زخمی کر دیا۔ حضرت علیؓ نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کیا۔ اور حضرت عبیدہ کو کندھوں پر اُٹھا لائے۔

عفرا کے بیٹے حضرت معوذ اور معاذ کم عمر تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خیال میں بوجہ خورد سالی ان بچوں کی جنگ میں شمولیت ٹھیک نہ

تھی۔ مگر دونوں کو جنگ میں جانے پر اصرار تھا۔ آخر دونوں کو اجازت مل گئی۔ جب عام حملہ شروع ہوا۔ اور گھمسان کا رن پڑا۔ تو دونوں لڑکوں نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے آکر پوچھا۔ چچا رسول کا دشمن ابوجہل کون سا ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن نے اشارہ سے بتایا۔ لڑکے تیر کی طرح جھپٹے شمشیر سے وار کیا۔ قبل اس کے کہ وہ ہوش سنبھالے بے ہوش ہوکر زمین پر گر گیا۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے باپ کو خاک میں گرتے دیکھ کر عقب سے آکر معاذ پر وار کیا۔ معاذ کا بازو کٹ کر بس ایک تسمہ لگا رہا۔ معاذ نے پلٹ کر عکرمہ کا پیچھا کیا۔ وہ جان بچا کر بھاگا۔ معاذ نے اپنے بازو کو پاؤں کے نیچے دبا کر جھٹکا دیا۔ تسمہ الگ ہو گیا۔ اور ایک ہی بازو سے خدائے واحد کی راہ میں لڑتا رہا۔

جب قریش نے دونوں سرداروں یعنی عتبہ اور ابوجہل کی لاشوں کو خاک میں پڑا پایا تو اُن کے قدم متزلزل ہو گئے۔ بعض نے جنگ بے سود سمجھ کر سپر ڈال دی۔ اسیری کو آزادی پر ترجیح دی۔ اس جنگ میں ستر قریش کام آئے۔ اور ۱۴ مسلمان شہید ہوئے۔ ۷۰ کے قریب قریش گرفتار ہوئے۔ ۱۴ شہدا کے خون نے اسلام کی جڑ کو مضبوط کر دیا۔ اگر ان بہادروں کے سُرخ خون کے دھبے زمین پر نہ گرتے تو دنیا میں اسلام کا نشان باقی نہ رہتا۔ یہ مٹھی بھر مسلمان جانوں کو ہتھیلی پر رکھ کر نہ نکلتے۔ تو نہ اُن کی جان بچتی نہ عورتوں کی عزت محفوظ رہتی۔ بہادروں کی موت دینِ اسلام کی حفاظت کا باعث بن گئی۔ دنیائے اسلام ان بہادروں کی کس قدر

احسان مند ہے۔

اسیرانِ جنگ

اسیرانِ جنگ کے ساتھ حسن سلوک صرف اسلام ہی کا امتیازی قانون ہے۔ جنگِ بدر کے تمام قیدی صحابہ میں ایک ایک دو دو کر کے تقسیم ہو گئے۔ حکم ہوا کہ ان کو آرام سے رکھو۔ اور اچھا سلوک کرو۔ صحابہ نے اپنے مہمانوں سے بہت اچھا سلوک کیا۔ اپنے سے اچھا کھلایا۔ ابو عزیر کا بیان ہے۔ کہ جس انصاری کے گھر میں میں قید تھا۔ وہ صبح و شام میرے لیئے روٹی لاتے اور خود کھجوروں پر اکتفا کرتے۔ میں اس حسن سلوک سے شرمندہ ہو کر روٹی واپس کرنے کی سعی کرتا۔ مگر اہل خانہ نہ مانتے۔ ایک شخص سہیل نامی اسیر ہو کر آیا۔ بڑا چست زبان اور آتش بیان تھا۔ آنحضرت کے خلاف اکثر زہر اگلا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے جوشِ عقیدت میں آکر عرض کی یا رسول اللہ اس کے دو نچلے دانت اکھڑوا دیجیئے۔ تاکہ اس کے قوتِ بیانیہ کا خاتمہ ہو جائے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ کہ عمرؓ اگر میں اس کا کوئی عضو بگاڑ دوں گا تو باوجود نبوت کے خدا میرا کوئی عضو بگاڑ دے گا۔ اسیرانِ جنگ کے کپڑے میلے ہوئے تو آنحضرتؐ نے اجلے کپڑے بدلوا لیئے۔ غرض دشمنوں کو دوستوں کی طرح رکھا۔ دولتمند اسیروں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ نادار قیدیوں کو حکم ہوا۔ کہ وہ دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں تاکہ مسلمانوں میں تعلیم بڑھے اور قیدیوں کو آزادی نصیب ہو۔

آج کون ہے۔ جو اُس مجسمہ رحم کی پیروی کرے۔ اور اسلام کی شان کو دوبالا کرے۔ آج کل کے مسلمان امرا مسلمانوں کو ملازم رکھتے ہیں مگر اسیروں سے بدتر سلوک کرتے ہیں۔ میں نے بعض امیروں کے گھر میں چھوٹے چھوٹے لڑکے ملازم دیکھے ہیں۔ جن کی تعلیم و تربیت کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ بچا کھچا کھانا۔ پھٹا پرانا کپڑا۔ رات دن کی محنت اُن کی قسمت ہے۔ تعجب ہے۔ کہ جو مذہب اسیروں سے حسن سلوک کا روادار ہے وہ ملازموں سے موجودہ سلوک کا متحمل کب ہو سکتا ہے۔ آجکل ملازم کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلانا۔ اپنی طرح کپڑا پہنانا تو کجا۔ تلطف اور مہربانی سے پیش آنا ناممکن بات تصور کی جاتی ہے۔

جناب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات کی تعلیمی سرپرستی کو دیکھو کہ اسیرانِ جنگ سے اگر کوئی خدمت لی تو تعلیم پھیلانے کی۔ آجکل دروازہ پر علم کی گنگا بہتی ہے۔ مگر مسلمان اکثریت اس سے محروم ہے۔ محلوں کے امرا اور گاؤں کے مکھیا عزیز و اقارب کی تعلیم سے غافل ہیں۔ علم کی دولت ملک میں مفت لٹ رہی ہے۔ مگر مسلمان بہرہ اندوز نہیں ہوتے علم کی دولت ورثہ میں نہیں مل سکتی۔ ہر بچہ جاہل پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے آنے والی نسل کی تعلیم کا قرض موجودہ نسل پر عائد ہوتا ہے۔ جو اس فرض میں کوتاہی کا باعث ہوتا ہے وہ آنے والی نسل کی ترقی خوشحالی اور مسرت کو فنا کرتا ہے۔ اس فرضِ عظیم سے بے پروا فلاح نہیں پا سکتا۔ جو اپنی غفلت کے باعث آئندہ نسلوں کو مسرت سے محروم کرتا ہے۔ -ملا نے

والی دنیا میں بھی مسرت سے محروم رہے گا۔ علم اور آدمیت ایک ہی شے ہے۔ آئندہ نسلوں کو علم سے محروم رکھنے کی غلطی نہ کریں۔ علم کی قدر و قیمت کو خود سمجھنا اور زیور علم سے اپنے بچوں اور ہمسایوں کے بچوں کو آراستہ کرنا خدا کی خوشنودی کا باعث ہے۔ اور رسولِ کریمؐ کی ایک بابرکت سنت ہے۔

بہادروں کے لیئے شکست موت سے بدتر ہوتی ہے۔ بدر کی خبر مکہ پہنچی۔ تو شہر ماتم کدہ بن گیا۔ عزیزوں کی موت کے غم کے علاوہ دنیا میں شکست رسوائی کا بھی باعث تھی۔ تاہم قریش کی قومی غیرت رونے کی متحمل نہ ہوئی۔ اس لیئے منادی کر دی۔ کہ جو اس مصیبت میں روئے وہ بزدل۔ اہل قریش کا یہ سکوت غلام قوموں کی خاموشی نہ تھی۔ بلکہ ذلت کا احساس اور انتقام کا عہد تھا۔ روکر انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کرنے والی قوم نے کب فتح پائی ہے قریش نے رونے دھونے کی ممانعت اسی لیئے کی تھی۔ کہ آتش انتقام سلگتی رہے۔ تا آنکہ مسلمانوں کے خون سے یہ آگ بجھائی جائے۔

غزوۂ احد ۳ھ

تدبیر سے تقدیر بنتی ہے۔ عدم احتیاط سے قسمت بگڑتی ہے۔ قریش نے شکست پر معاندانہ صبر کیا۔ مگر اس داغ کو دھونے کی اسی روز سے تیاری شروع کر دی۔ تجارت میں جان لڑائی اور منافع انتقامی جنگ کے لیئے جمع رکھا۔ مرد کی غیرت کو برانگیختہ کرنے کے لیئے عورت کس قدر موثر ہتھیار ہے۔ شاعر جذباتِ جنگ کو کس قدر بھڑکا سکتا ہے۔ غلام آباد

ہند میں بسنے والا مسلمان کیا جان سکتا ہے۔ شاعروں نے عرب میں عورتوں نے سارے مکہ میں آگ لگادی جس کے شعلے اُٹھ اُٹھ کر مدینے پہنچے۔ مدینہ والے کی دوربین نگاہ نے ایک عظیم خطرہ محسوس کیا۔ بے شک سردارانِ مکہ کو بدر کے میدان میں خاک چاٹنا پڑی اور اسلام کا سیاسی اثر بڑھ گیا۔ لیکن یہ معرکہ فیصلہ کن نہ تھا۔ دین مبین بدستور خطرات میں گھرا کھڑا تھا قسمت نے قریش کا زور پوری طرح نہیں توڑا تھا۔ چنانچہ وہ میدان میں تقدیر کا فیصلہ سننے پر مصر تھے۔

ابوسفیان جیسے بڑوں کی موت نے بڑا بنا دیا تھا۔ اب قریش قوم کا سردار تھا۔ اس کی طبیعت میں تذبذب تھا۔ وہ فیصلہ کن لڑائی لڑنے کے ناقابل تھا۔ ایسے لوگ جنگ کی بجائے تدبیرِ جنگ پر زیادہ انحصار رکھتے ہیں اس لیئے کمال رازداری سے سامانِ جنگ فراہم کیا۔ خفیہ خفیہ انتظام کر کے چاہا۔ کہ اچانک حملہ کیا جائے۔ مگر آنحضرتؐ کے چچا حضرت عباسؓ نے جو ابھی مکہ میں مقیم تھے۔ تیز رو قاصد حضورؐ کی خدمت میں بھیجا۔ آنحضرتؐ نے مناسب مقام پر پہرے بٹھائے۔ دور و نزدیک مخبر دوڑائے۔ ابوسفیان بڑے لاؤ لشکر سے پھریرے اُڑاتا مدینہ پہنچا۔ اُحد کی پہاڑی پہ پڑاؤ ڈالا۔ رسول کریمؐ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ مہاجرین اور انصار نے شہر میں پناہ گزین ہو کر مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا۔ نوجوانوں کا جوش ان کی عقل سے زیادہ ہوتا ہی ہے۔ اصرار کیا کہ کھلے میدان میں نبرد آزمائی کی جائے۔ آنحضرتؐ خاموشی سے اُٹھ کر اپنے گھر میں گئے اور ہتھیار لگا کر آ گئے۔ صحابہ نے جانا۔

کہ نوجوانوں کے اصرار کو بہ اکراہ قبول فرمایا ہے۔ اس لیے سب معذرت خواہ ہوئے۔ حضور نے فرمایا کہ پیغمبر کو زیبا نہیں۔ کہ ہتھیار پہن کر اُتار دے۔ غرض آنحضرت صلعم جمعہ کی نماز پڑھ کر ایک ہزار جوانوں کی جمعیت کے ساتھ شہر سے چلے۔ عبداللہ ابن ابی مشہور منافق تین سو جوانوں کو لے کر ساتھ ہوا۔ علیحدگی کا کوئی معقول عذر ہاتھ نہ آیا تو یہ عذر لنگ تراشا کہ حملہ سی مدافعت بہتر تھی۔ چونکہ تم میری منشا کے خلاف شہر سے باہر جا رہے ہو۔ اس لیے میرا اسلام ہے۔ عبداللہ ابن ابی کے لوٹ جانے کے بعد اب سات سو ساتھی رہ گئے۔ شہر کے باہر فوج کا جائزہ لیا گیا کم سن اور کمزور واپس کر دیے گئے۔ ان لوگوں کی حسرتوں کا حال کون بیان کرے جو شوق جہاد میں گھر سے نکلے اور کمزور ہونے کے باعث لوٹا دیے گئے۔ اے خدا اس حقیقت کو کوئی کیونکر ہندوستانی مسلمانوں کو اچھال اچھال کر دکھلائے کہ کمزور شخص اسلام کی فوج کا سپاہی نہیں ہو سکتا۔ اسلحہ بردار قوموں کے مروجہ معیار صحت پر آجکل کے مسلمانوں کو پرکھ کر دیکھو۔ تو دس فی صدی مسلمان اس پر پورے نہیں اُترتے۔ اسلام ایسے کمزور مسلمانوں ہی سے کمزور ہے۔ بعض ایمان کی قوت کے مدعی جسم کی طاقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں اور یہ خیال نہیں کرتے کہ مسلمان وہی ہے جس کا ایمان اور جسم دونوں قوی ہوں۔ ورنہ وہ کمزور صحابہ جو جنگِ احد میں لوٹا دیے گئے تھے۔ کمزور ایمان نہ تھے۔ قوی خطرے کے وقت عالی ہمتی کے ساتھ بازو میں بل چاہیے ایسا نہ ہو کہ انسان دشمن پر حملہ نہ کر سکے۔ اور مخالفت کی چوٹ کی تاب نہ لا سکے

ایک نوجوان صحابی رافع بن خدیج سے کہا گیا۔ تم ابھی بچے ہو تو وہ ایڑیاں اُٹھا کر کھڑے ہو گئے۔ میں کس سے کم ہوں۔ آنحضرت کو یہ ادا پسند آئی۔ اور رافع نے مجاہدین میں شامل رہنے کی سعادت پائی۔ سمرہ نام ایک اور جوان نے بڑھ کر کہا۔ کہ حضرت میں رافع کو کشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں۔ اگر اُسے اجازت ہے تو میں کیوں محروم ہوں۔ غرض دونوں نے کشتی لڑی۔ سمرہ نے رافع کو زمین پر دے مارا۔ اس نے بھی کشتی جیت کر اجازت پائی۔

جنگ کے تلخ تجربوں کی بنا پر قریش نے کمال احتیاط سے صف آرائی کی۔ میمنہ پر خالد اور میسرہ پر عکرمہ کو سردار مقرر کیا۔ تیر اندازوں کے دستے اور سواروں کے پہرے موقعہ بموقعہ جمائے۔ اسلامی فوج کا علم مصعب بن عمیر کو ملا۔ زبیر بن العوام افسر رسالہ مقرر ہوئے۔ حضرت حمزہ زرہ پوشوں کے کمانڈر بنائے گئے۔ عبداللہ بن جبیر اُن ۵۰ تیر اندازوں کے ساتھ اسلامی فوج کی پشت پر متعین کیے گئے۔ تاکہ عقب سے حملہ ہو۔ تو یہ سینہ سپر ہوں۔ انہیں حکم تھا کہ فتح کی صورت میں بھی یہ اپنی جگہ پہ جمے رہیں۔ مبادا دشمن عقب سے حملہ کر دے اور فوج سراسیمہ ہو جائے غرض فریقین ڈٹ کر مقابلہ پر کھڑے طبل جنگ کے منتظر تھے۔

خاتونانِ قریش نے دف بجائے اور جوش میں آکر اشعار پڑھے۔ نسوانی آواز نے قریش کو مردانگی پہ اُبھارا۔ اُن کا علم بردار طلحہ مست ہو کر جھومتا جھامتا نکلا۔ میدان میں بڑھ کر پکارا۔ کہو مسلمانوں کوئی تم میں ایسا ہے۔ جو مجھکو دوزخ میں پہنچائے۔ یا ٹھنڈے ٹھنڈے خود بہشت میں پہنچ جائے

اس کی خواہش کی تکمیل میں حضرت علیؓ نے بڑھ کر تلوار کا ہاتھ مارا۔ وہ پہلے ہی وار میں فی النار ہوا۔ طلحہ کا بیٹا عثمان علم تھامے چلا۔ عورتیں پُرجوش اشعار پڑھتی ہوئیں ہمراہ ہوئیں وہ رجز پڑھتا میدان میں اُترا۔ حضرت حمزہؓ کی تلوار شانہ سے کمر تک اُتر گئی۔ دستورِ عرب کے مطابق باپ کا نام فخر سے لیا کہ میں ساقی حجاج کا بیٹا ہوں۔ اور یہ کہہ کر بیٹا باپ کے راستہ پر روانہ ہوگیا۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت

اب گھمسان کا رن پڑا۔ حضرت امیر حمزہؓ اور حضرت علیؓ دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے۔ آنحضرت نے تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا اس کا مستحق کون ہے۔ کئی ہاتھ بڑھے۔ مگر یہ سعادت ابو دجانہ عرب کے مشہور پہلوان کے حصہ میں آئی جو فوراً ہاتھ میں تلوار اور سر پر سُرخ رومال باندھے اتراتا اٹھلاتا بڑھا۔ حضورؐ نے اس چال پر یہ خیال ظاہر فرمایا۔ کہ غرور کا یہ انداز خدا کو ناپسند ہے لیکن اس وقت پسند ہے۔ ابو دجانہؓ دشمنوں کو مارتے گراتے بڑھے جا رہے تھے۔ کہ ہندا ابو سفیان کی بیوی سامنے آگئی حضرت ابو دجانہؓ نے تلوار اُس کے سر پر رکھ کر اُٹھالی۔ کہ رسول کریمؐ کی تلوار عورت پر نہیں آزمائی جاسکتی۔ حضرت حمزہؓ کی سیرت کی بڑائی یا کمزوری یہ تھی۔ کہ اُنہیں جنگ میں خطرے کا احساس نہ ہوتا تھا۔ وہ تمام احتیاطوں کو بالائے طاق رکھ کر خطروں میں تن تنہا کود جاتے تھے۔ آج بھی وہ دو دستی تلوار چلاتے بڑھے جاتے تھے۔ دونوں پہلو خالی تھے۔ دست بدست لڑائی میں پہلو کو خالی چھوڑنا موت کو دعوت دینا ہے۔ پہلو بچا کر لڑنے والا ہمیشہ جیت میں رہتا

ہے۔ لیکن عرب کا وہ البیلا بہادر احتیاطوں کو بزدلی سمجھتا تھا۔ اور خالی پہلو پڑھ رہا تھا۔ اس کی فطرت میں خطرے کا احساس کبھی پیدا ہی نہ ہوا تھا۔ جس نے ابوجہل کو صحن حرم میں جا للکارا۔ اور جو ارقم کے مکان پر حضرت عمرؓ کے خدشے کو خاطر میں نہ لایا۔ وہی اقلیم تہور کا شہنشاہ دشمنوں کی صفوں میں گھسا جا رہا تھا۔ جو منہ آنے والوں کو مار تا گرا تا تھا۔ اتنے میں جبیر بن مطعم کے وحشی نامی کافر حبشی غلام نے دور سے تاکا۔ حضرت امیر حمزہ رضؓ کے پہلو کو خالی پایا۔ قریب آکر حربہ جو حبشیوں کا مخصوص ہتھیار رہا ہے۔ اس زور سے پھینک مارا کہ ناف کے آر پار ہو گیا۔ حضرت حمزہؓ حملہ کے لیئے بڑھے۔ مگر خونی حربہ کام کر چکا تھا۔ لڑکھڑا کر گرے۔ دنیا سے وہ سپاہی اُٹھ گیا۔ جو اگر زندہ رہتا اور سرداری کا موقعہ پاتا تو دنیا کے فوجی سردار اُس کا لوہا مانتے۔ لیکن مسلمان کے لیے دنیا کی سرداری کی امید میں جینے سے دین کے لیے لڑتے مرنا بدرجہا بہتر ہے۔ شہید غازی سے بہت بلند مرتبت ہوتا ہے۔

حضرت حمزہ رضؓ شہید ہو گئے۔ مگر لڑائی کے دونوں پلے برابر تھے۔ مسلمان جہاں جوشِ ایمان سے سرمست تھے۔ وہاں قریش نسلی غرور سے سرشار تھے۔ کفار کا علمبردار ایک پر ایک کٹا۔ مگر علم ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ ایک دفعہ علم زمین پر گرا چاہتا تھا۔ کہ ایک بہادر قریش عورت نے علم سنبھالا۔ اس عورت نے لڑائی کا رُخ بدل دیا۔ قریش ہمت ہارتے ہارتے پھر سنبھل گئے۔ اور علم گرنے کی نوبت نہ آئی۔ پھر جوشِ ایمانی کنار

کے غرور پر فتح پاتا دکھائی دیا۔ ابو دجانہؓ اور حضرت علیؓ کی پامردی نے دشمن کی تلواروں کے منہ موڑ دیئے۔ دشمن پیچھے ہٹا۔ رجز خواں عورتیں بد حواسی میں پیچھے پلٹیں۔ کفار میں عام سراسیمگی پھیل گئی۔ مسلمان تیر انداز لوٹ کے لالچ میں اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ عبداللہ بن جبیر نے ہزار روکا کسی ایک نہ سُنی۔ خالد بن ولید نے عقب خالی پاکر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دیا۔ پھر کیا تھا اپنے بیگانے کی ہوش نہ رہی مسلمانوں نے دشمن سمجھ کر مسلمانوں پر تلواریں چلائیں۔ ہٹو بچو کے شور کو جوش میں کسی نے نہ سنا آپس میں برابر تلواریں برستی رہیں۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر جو آنحضرتؐ سے شکل وشباہت میں کچھ ملتے جلتے تھے شہید ہو گئے تو عام شور ہوا کہ سرکارِ دو عالم شہید ہو گئے۔ اس خبرِ وحشت اثر سے مسلمان اور بدحواس ہوئے۔ کسی نے کہا اب لڑ کر کیا کریں گے۔ کسی نے کہا زندہ رہ کیا کریں گے جب فوج میں فتح پانے کی خواہش اور توقع باقی نہ رہے تو شکست یقینی ہوتی ہے۔ مسلمان بِدکے ہوئے اونٹ کی طرح بدحواس اِدھر اُدھر پھر رہے تھے۔ جو سامنے آیا اُس کو زخم لگایا زخم کھایا لیکن نظام اور انتظام ٹوٹ چکا تھا۔ نہ کوئی افسر نہ کوئی سپاہی تھا۔ ہر طرف ہڑبونگ مچی ہوئی تھی۔ حضورؐ زندہ تھے مسلمانوں پر شکست کی کیفیت طاری تھی حضور کے چہرے پر مغفر تھا۔ کعب بن مالکؓ نے کسی طرح پہچانا۔ پکار کر کہا۔ مسلمانو محمدؐ زندہ ہیں۔ یہ جاں بخش صدا سُن کر کچھ بہادر دشمنوں کی صفوں کو چیرتے پھاڑتے آنحضرت کی طرف بڑھے۔ اِدھر دشمنوں نے بھی حضورؐ پر ہجوم

کیا۔ اب کفار کی ساری کوشش یہ تھی کہ شمع رسالت کو ہمیشہ کے لیے گل کر کے پھر کفر کی تاریکی میں عصیاں کی پہلی سی دھا چوکڑی مچائی جائے۔ معرکہ سخت اور وقت نازک تھا۔ جھٹ شمع رسالت کے گرد پروانوں نے حلقہ بنایا۔ تلواریں بجلی کی طرح تڑپیں۔ بہادر بادل کی طرح گرجے۔ تیر بارش کی طرح برسے۔ اسلام کے حلقہ بگوشوں کا حلقہ ہزار حملوں سے نہ ٹوٹا۔ تلواریں تلواروں سے ٹکرا کر ٹوٹیں۔ ترکش تیروں سے خالی ہو گئے۔ مگر ہمتیں دونوں طرف بندھی رہیں۔ معرکہ حرب و ضرب جاری تھا۔ ادھر زخم خوردہ لوگوں کو قریش کی عورتیں آغوش میں لے رہی تھیں۔ اور باقیوں کو آمادہ بہ پیکار کر رہی تھیں۔ ادھر نورانی نبی کی پاک بیبیاں اور صحابہ کرام کی عورتیں مشکیزے کمر پہ لادے اور پائنچے اوپر اُٹھائے دور سے پانی لالا کر پیاسوں کی پیاس بجھانے میں پسینہ بہا رہی تھیں۔ دونوں طرف عورتوں کا ایثار قابل داد تھا۔ چودھویں صدی کا ہندوستانی ضبطی عورتوں کی شمولیتِ جنگ پر ہزار ناک بھوں چڑھائے مگر حق یہ ہے۔ کہ ملکوں اور قوموں کے انتہائی خطرے کے وقت عورت اگر جان پیش کرنے سے گریز کرتی ہے تو اُسے شکست کے بعد دشمن کے سامنے جسم پیش کرنا پڑتا ہے۔ اسی لیے عقلمند اور باغیرت عورتیں اجتماعی خطرے کے سدِباب کے لیے بھائیوں اور بچوں کو قربانی کے لیے تیار کرتی ہیں۔ تاکہ شکست کے بعد ناموس کی قربانی سے بچ جائیں۔ غلامی پہ قناعت کرنے والے مسلمان کیا جانیں۔ کہ نسوانی حسن اور اس کا سارا غرور فاتح کے قدموں پہ عجز اور انکسار سے ڈھیر ہو جاتا ہے۔

ممکن ہے۔ کہ عورت خود جنگ میں بہتر سپاہی نہ ہو۔ لیکن اس میں شبہہ نہیں کہ وہ نائرۂ حرب بھڑکانے اور سپاہیوں کا دل بڑھانے کا کارگر حربہ ہے۔ وہ خود سرتاسر نزاکت ہو۔ مگر نازک وقتوں میں اقوام کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا دیتی ہے۔ مرد پر عورت کے اثر کو کم سمجھنے والا کم عقل ہے۔ وہ سینوں میں خواہشوں کے طوفان اُٹھا سکتی ہے۔ وہ چشم زدن میں کاروانِ ضبط لوٹ لیتی ہے۔ فلسفی کی عقل اور منطقی کے دماغ کو ہوش سے بیگانہ کر کے اضحوکۂ روزگار بننے کے لیے چھوڑ دیتی ہے۔ بزدل اس کی للکار سے شیر دل ہو جاتے ہیں۔ اور شیر دل بے جگری سے حملہ آور ہوتے ہیں۔ خدا کی پناہ دیکھو چودہ نازنینانِ قریش سولہ سنگار کر کے پیچھے کھڑی حنا بستہ ہاتھوں سے دف بجا بجا کر اور اک ادائے دلبرانہ سے یہ شعر پڑھ پڑھ کر دلوں میں جنگی جوش پیدا کر رہی ہیں۔

نحن بنات طارق	ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں۔
نمشی علی النمارق	ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں۔
ان تقبلوا نعانق	اگر تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گی
او تدبروا نفارق	اور پیچھے قدم ہٹایا تو الگ ہو جائیں گی

ان اشعار میں ترغیب و تحریص کی کتنی ترغیبیں پوشیدہ ہیں۔ قریش کا کون نوجوان بارگاہِ ناز سے سرفروشی کا اشارہ پاکر آمادۂ پیکار نہ ہوتا۔

ادھر دیکھو حرمِ نبوی سے پاک بیبیاں صحابۂ کرام کے گھروں سے نیک عورتیں۔ زبان سے اللہ کی حمد و ثنا میں مصروف دل میں نمازیوں کی فتح

ونصرت کی دعائیں مانگ رہی ہیں اور زخمیوں کی دیکھ بھال بھی کر رہی ہیں۔ جب گھر کی عورتیں ہی میدان میں موجود ہوں تو مرد مومن کے گھر میں رکھا ہی کیا ہے۔ جب پاک نبی کی حرم محترم زخمیوں کو پانی پلاتی ہوں پھر کون امتی قدم پیچھے ہٹا کر دوزخ کا ایندھن بن سکتا ہے۔

جنگ کچھ دیر پھر ترازو کے تول آئی۔ ماہِ عرب کے گرد نیکی کے درخشندہ ستارے ہار بنائے مصروفِ رزم تھے۔ جب زیادہ زور پڑتا کچھ فداکار بڑھ کر ریلے کو روکتے۔ زخم لگاتے زخم کھاتے۔ ایک دفعہ کفار نے بڑا ہجوم کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ دیکھیں کون جان پیش کرتا ہے۔ حضرت زیادؓ بن مسکن پانچ انصار کے ہمراہ بڑھے۔ دشمن کو پیچھے مار بھگایا۔ لیکن تاجِ شہادت پہن کر خدا کی خوشنودی کی بہشت میں داخل ہوئے۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ زیاد کا لاشہ لایا جائے۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ ابھی جانباز میں جان باقی تھی۔ اس نے ہمت کر کے آنحضرتؐ کے قدموں پہ مُنہ رکھ دیا اسی حالت میں عالمِ بقا کو سدھارے۔ موت جو محبوبؐ کے قدموں میں آئے ہزار زندگی سے بہتر ہے۔

اہلِ ایمان مصائب کے ہجوم میں اور خطرات میں گھر کر زیادہ بے پروا ہو جاتے ہیں۔ گھمسان کا رن تھا۔ ایک صحابی مزے سے کھجوریں کھا رہے تھے۔ بہت اطمینان سے پوچھا کہ حضورؐ مارا گیا تو کہاں جاؤں گا صحابی اور شہادت کا درجہ نہ پہچانے۔ نہیں یہ بات نہ تھی۔ بلکہ وہ رسالت پناہی صلعم کی جنبشِ لب کی قیمت جان دے کر ادا کرنا چاہتے تھے۔ مارا گیا تو کہاں جاؤں گا

کا جواب ملا "جنت میں" اس بشارت سے بے خود ہو کر وہ اللہ کا نام لے کر دشمنوں کی صفوں میں گھس گئے۔ کلمہ پڑھتے جاں بحق ہوئے۔ کیسی مبارک موت تھی قوم کی مدافعت ملک کی آزادی۔ ہمسایہ کی ہواخواہی۔ غریب کے بچاؤ کے لیئے اپنی جان دینا شہادت ہے۔ شہید کی نجات میں شبہ کرنے والا ایمان سے محروم ہے۔

قدرت کی طاقتوں پر اختیار نہ تھا۔ قریش کی بے چین روحیں مٹنے یا مٹانے پر تلی ہوئی تھیں۔ تاہم وہ ٹکروں سے اس آہنی دیوار کو ڈھانے میں مصروف تھے۔ اسلام کو اس سے زیادہ بہادر دشمنوں کا مقابلہ کبھی نہ پڑا ہو گا آن پر جان دینے والی قوم کی کیا بات ہے جن کے کفر نے صحابہ کے ایمان کا مقابلہ کیا۔ وہ اہل عرب تھے۔ اہل عجم تو اسلامی افواج کے مقابلہ میں یوں بے بس ہو گئے جیسے تند آندھی کے سامنے مچھر۔

قریش نے صدیوں سے شکست کا نام نہ سنا تھا۔ اہل اسلام کو وہ بن کی لکڑی سمجھ کر بنظر حقارت دیکھتے تھے۔ اور دانت پیس پیس کر حملہ آور ہوتے تھے۔ کئی ناکام یورشوں کے بعد ایک ایک حملہ اس بے جگری سے کیا کہ مسلمانوں کی صفوں میں ہلچل پڑ گئی۔ قریش کے بہادر عبداللہ بن قمیہ نے آنحضرتؐ پر اس سرعت سے بڑھ کر وار کیا کہ مسلمان دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ تلوار کا وار تو آنحضرت کے چہرے پر پڑا۔ مغفر کی وجہ سے گھاؤ گہرا نہ ہوا۔ مگر چہرہ لہولہان ہو گیا۔ اب دست بدست لڑائی ہو گئی۔ جانثاروں نے آنحضرتؐ کے لیئے اپنے جسموں کو ڈھال بنایا۔ ابو دجانہ رضؓ حضورؐ پر جھک گئے۔ طلحہ رضؓ نے تلواروں

کو ہاتھوں پہ روکا۔ ایک بازو کٹ گیا۔ تیروں کی جنگ نیزوں پہ۔ نیزوں کی جنگ تلواروں پر آگئی۔ حملہ اور مدافعت کا مرکز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات رہ گئی۔ کفر کے تند بگولے شمع ہدایت کو بجھانے کے لیئے اُٹھ رہے تھے۔ موقع بہت نازک تھا۔ اُس وقت آنحضرت کی زبان سے کیا نکلا۔ کوئی بد دعا نہیں بلکہ رحمتِ عالم نے یہ دعا دی :-

ربِ اغفر قومی فانھم لا یعلمون	اے خدا میری قوم کو بخش دے وہ نہیں جانتے۔

معرکہ جنگ جاری تھا۔ عمر کے پیمانے لبریز ہو رہے تھے حضرت انس کے علاتی بھائی طلحہ اور حضرت سعد وقاص دشمن پہ تیر برسا رہے تھے۔ آنحضرت خون سے لت پت تھے۔ خون کے بہنے سے نڈھال ہو کر حضور پکارے۔ وہ قوم جو اپنے پیغمبر کو زخمی کرتی ہے کیا فلاح پا سکتی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہوا۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ	تم کو اس معاملہ میں کچھ اختیار نہیں۔

یہ ارشاد بھی ہوا اس لیے کہ آنحضرت کا روئے سخن کفار کی طرف تھا۔ حالانکہ پیغمبر کے زخم ان صحابہ کے لیئے سامانِ عبرت تھے۔ جنھوں نے جماعت اور فوج کی تنظیم کو لوٹ کے لالچ کے باعث فنا کر دیا۔ سپاہی جو فرض سے کوتاہی کرتا ہے۔ وہ اپنے افسر کی جان پر عذاب لاتا ہے۔ اسلام کی فوج کا ہر سپاہی جو خوف اور لالچ میں آکر اپنا مورچہ چھوڑ جاتا ہے۔ وہ اپنے پیغمبر کے جسم پر کاری ضرب لگاتا ہے۔

جنگِ احد اہلِ ایمان کے لیئے اس امر کا ثبوت ہے۔ کہ دنیا محض قوتِ ایمان کے بھروسہ پر فتح نہیں کی جا سکتی۔ ایمان کے ساتھ اسباب اور تدبیر کی بھی ضرورت ہے۔ یورپ کے ہلاکت خیز اسلحہ کے مقابلہ میں تکبیر کہہ کر بغیر ہتھیار صف آرا ہونا روحِ اسلام سے بے خبری ہے۔ جنگِ احد میں صحابؓ کی ذراسی غلطی سے کیا روزِ بد دیکھنا نصیب ہوُا۔ خدا کا فرستادہؐ زخموں سے نڈھال ہے۔ اولوالعزم صحابہ بسترِ خاک پر جان دے رہے ہیں۔ یہ سب کچھ عقب کو خالی کر جانے والے تیر اندازوں کے دستہ کا قصور تھا۔

دنیائے اسلام کی بربادی اور غلامی کا باعث کیا چیز ہے۔ تیاری کے بغیر جنگ۔ سامان کی کمی۔ تدبیر کی کوتاہی۔ نظام کا فقدان۔

مسلمانو! تم سمجھے کہ اس شکست میں تمہارے لیئے عبرت و بصیرت کے کتنے سبق موجود ہیں؟ یاد رکھو! اللہ تبارک و تعالےٰ کو اپنی اس سنت پر اصرار ہے۔ کہ قوتِ ایمان کے ساتھ اسباب اور تدبیر کی بھی ضرورت ہے فتح و کامرانی کا یہ اٹل قانون ہے پاک پیغمبر ہو یا گنہگار انسان سب کے لیئے اسباب و تدبیر پہ نگاہ رکھنا کامیابی کی شرط ہے۔ بے شک اللہ کے بھروسہ پر بے سروسامانی میں کام شروع کر دو۔ لیکن مسلسل محنت اور کوشش سے سامان پیدا کرو۔ اللہ کی دی ہوئی عقل کو کام میں لاؤ۔ کامیابی تمہاری لونڈی اور غلام ہو جائے گی۔ اسباب و تدبیر سے غافل ہونا خدا کے حکم سے غافل ہو جانا ہے۔ یہ حکم ازل سے ابد تک کائنات میں جاری ہے۔ جو فرد یا جماعت اس سے سرتابی کرے گی وہ ذلیل و خوار ہوگی جب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھیوں کی غلطی خود آپ کے زخموں

کا باعث ہوئی ہے۔ تو بدونِ اسباب وتدبیر دنیا کے زخموں سے کون بچ سکتا ہے۔ پس کامیابی اور کامرانی کے لیئے اسباب ڈھونڈو اور تدبیر سے کام لو۔

اس تنبیہہ کے بعد تاکہ اُمت کو آئندہ غیرت رہے۔ خدا نے اپنے پیغمبر کے لیئے بچنے کا موقعہ بہم پہنچایا۔ اور حضورؐ صحابہؓ کے ہمراہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ ابوسفیان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ کہ ہاتھ آیا دشمن جاتا رہا۔ چاہا کہ پہاڑ پر چڑھ کر سب کو گھیر لوں۔ صحابہ نے پتھراؤ کیا۔ ابوسفیان نے منہ کی کھائی۔ کھسیانا ہو کر سامنے کی پہاڑی پر چڑھ گیا۔ کم ظرفوں کی طرح طعنہ کے طور پر پکارا۔ یہاں محمدؐ ہیں۔ آنحضرتؐ نے حکم دیا کہ کوئی جواب نہ دے۔ پھر اُس نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کا نام لے کر پکارا۔ سکوت طاری رہا۔ ابوسفیان بلند آواز سے پکارا۔ کہ سب مارے گئے۔ حضرت عمرؓ بول اُٹھے۔ کہ اے دشمن خدا ہم سب زندہ ہیں۔ جب ابوسفیان خانہ نشین بیوی کی طرح طعنے دے۔ تو سمجھ لو کہ اب اُس کی قوتِ مردانگی دادِ شجاعت دینے سے انکار کر چکی ہے۔ ورنہ ابوسفیان پھر پہاڑ پر چڑھائی کی سعی کرتا۔ لیکن جواب تک ہوا وہ اسی کو فتح سمجھتا تھا۔ فیصلہ کن جنگ سے وہ طبعاً گریز کرتا تھا۔ جو کچھ سوچتا تھا۔ وہ اسی کو فتح سمجھتا تھا۔ چنانچہ جب دونوں وقت ملتے دونوں فوجیں جُدا ہو گئیں۔ ابوسفیان فتح کے پھر یرے اُڑاتا پلٹا اور پکارا کہ آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔ قریش کی عورتوں نے شہدا کے ناک کان کاٹ کر ہندہ کے گلے کا ہار بنایا اور ہندہ ان پھولوں سے مزین ہو کر حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئی۔ سینہ بے کینہ کو چاک کیا۔ جوشِ مسرت سے کلیجہ نکالا مزے لے لے کر کھانے لگی۔ نگل نہ سکی

تو اُگل دیا۔ ایک ہنڈ کا کیا ذکر ہے۔ آج کے دن کسی قریش کے پاؤں زمین پر نہ لگتے تھے۔ مقدس نبی کے ساتھیوں کے دلوں میں ہوک اُٹھتی تھی بہشت کے شہزادے خاک میں بے گور و کفن پڑے تھے۔

جب دشمن فتح کے شادیانے بجاتا دور جا چکا تو آنحضرتؐ نے مردوں کے کفن دفن کا حکم دیا۔ ایک گونہ شکست کی صورت اس پہ بے سرو سامانی کا یہ عالم پانی کی کمی اور آنسوؤں کی روانی میں لاشیں سپردِ خاک کی گئیں کیسا رقت خیز منظر کیسی روح فرسا رات تھی۔

نبی کی فرض شناسی انتہائی مصیبت میں بھی حزم و احتیاط کو ملحوظ رکھتی ہے۔ ہر چند صحابہ زخموں سے چور چور تھے۔ لیکن دشمن کے پلٹ آنے کا خطرہ موجود تھا۔ اس لئے آپ نے حفظ ماتقدم کے طور پر مسلمانوں کو خطاب کر کے کہا۔ میرے عزیز ساتھیو! تم میں سے کون دشمن کے تعاقب میں نکلے گا۔ یہ سن کر ستر جری جوان سر ہتھیلی پر رکھ کر نکلے۔

ابو سفیان فتح کی خوشی میں کھویا ہوا۔ جب روحا پہنچا تو طبیعت میں اعتدال پیدا ہوا۔ سوچا کہ میں تو میدان جیت کر بازی ہار بیٹھا۔ اگر محمدؐ اور اُس کے ساتھیوں کا خاتمہ آج نہ کیا تو وہ دن کب آئے گا۔ اس لئے پھر اس ارادہ سے پلٹنا چاہا۔ کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ چل کر محمدؐ کو ختم کر دوں۔ تاکہ اسلام باقی نہ رہے۔ لیکن قبیلہ خزاعہ کا رئیس راہ میں ملا۔ وہ در پردہ مسلمان ہو چکا تھا۔ اُس نے ابو سفیان کو از راہِ ہمدردی سمجھایا۔ کہ محمدؐ فوج گراں لے کر آ رہا ہے اب لوٹ جانے میں ہی سلامتی ہے۔ اونگھتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہو گیا۔ ابو سفیان

جلدی جلدی مکہ پہنچا فتح کی خوشی میں قریش کے گھروں میں گھی کے چراغ جلائے گئے۔ مدینہ ماتم کدہ بن گیا۔

کون فتحیاب ہوا

مسلم تیراندازوں نے لوٹ کے لالچ میں عقب خالی کر کے مسلمانوں پر مصیبت طاری کر دی۔ ابوسفیان نے فیصلہ کن جنگ کے بغیر حکم واپسی دے کر مسلمانوں کو مٹانے کا موقعہ کھویا۔ گویا تدبیر اور استقامت کی کمی کے باعث شکست کھا گئے۔ عورتیں دونوں طرف اپنے فرض منصبی ادا کرنے میں آخری وقت تک جان لڑاتی رہیں۔ اور فتحیاب ہوئیں۔ قریش اور مسلمان عورتوں میں فرق یہ تھا۔ کہ اول الذکر اشعار میں اپنے حسن و شباب کا تذکرہ کرتی تھیں اور موخرالذکر کی زبان و قلب فتح و نصرت کی دعاؤں میں اور ہاتھ پاؤں زخمیوں کی خدمت میں مصروف تھے۔ جہاں قریش کی ایک بہادر عورت علم سنبھال کر لڑائی کا رُخ بدل دیتی ہے۔ وہاں ام عمارہ آنحضرتؐ پر جراح کے اچانک حملے کو بڑھ کر روکتی ہے۔ کندھے پر گہرا زخم کھاتی ہے۔ مگر پیغمبرِ خدا کو کاری زخم سے بچاتی ہے۔ حضرت حمزہؓ کی بہن صفیہ بھائی کی موت کی خبر سُن کر آتی ہے۔ دشمنانِ دین کے ہاتھوں بھائی کی مثلہ کی ہوئی لاش دیکھ کر دعا پڑھتی ہے اور خوش خوش لوٹ جاتی ہے۔ بنو دینار کی صاحب ایمان عورت باپ بھائی اور سرتاج کی شہادت کی خبر کو صبر سے سنتی ہے مگر سردارِ دو جہان کی موت کی خبر سے بیتاب ہو کر گھر سے نکلتی ہے۔ جب

پیارے پیغمبر کو سلامت پاتی ہے۔ تو کہتی ہے کہ اب ہر مصیبت برداشت ہو سکتی ہے۔ غرض اس جنگ میں مرد ہارا عورت جیتی۔ کیونکہ دونوں طرف کے مردوں نے اس لڑائی میں کوتاہی کی۔ مگر کسی طرف کی عورتوں سے ذرا لغزش نہ ہوئی۔

شکست خوردہ جرنیل اور ناکام لیڈر بے آبرو ہو کر لوگوں کی نظروں سے گر جاتے ہیں۔ اپنے فن میں فتح اور کام میں کامیابی انسان کو عزیز جہاں بناتی ہے۔ لیکن عجیب اعجاز ہے۔ کہ یثرب کا سردار شکست کھا کر فاتح سے زیادہ پیارا معلوم ہوتا ہے۔ اگرچہ اُحد کی ناکامی سے ہمسایہ قبائل کے دلوں میں اسلام کا رعب کم ہو گیا۔ مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم بدستور مومنین کی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بنے رہے۔ یہ کیوں اس لیئے کہ وہ خوف اور لالچ سے پیغمبر کے ساتھ نہ تھے۔ بلکہ اُن کی تعلیم اور سیرت کے گرویدہ تھے مصیبت میں صابر و شاکر مصلح سے زیادہ محبوب کون ہو سکتا ہے۔ وہ آنحضرتؐ کی اسی ادا پہ قربان تھے۔ بے شک تاریکی میں سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے اور مصیبت میں ساتھی مُنہ موڑ لیتا ہے۔ لیکن وہ لوگ اس قاعدے سے مستثنےٰ ہوتے ہیں جو خوف یا لالچ سے جمعیت فراہم نہیں کرتے۔

سب سے اہم بات یہ تھی۔ کہ حضور نے آج کل کے جھوٹے پیروں کی طرح مسلمانوں کو تعویذ دے کر نہیں کہا تھا کہ جاؤ کامیابی لونڈی غلام ہو جائے گی۔ بلکہ اُنہوں نے مسلمانوں میں لیس للانسان الا ما سعیٰ کا جادو پھونکا تھا۔ اور صاف صاف بتا دیا تھا کہ کامیابی کا دارومدار اپنی سعی اور عمل پر منحصر ہے

مسلمان اپنی غلطی کو اُحد کی شکست کا ذمہ دار سمجھتے تھے۔ انہیں رسول مقبول ؐ کے مشن کی سچائی پر شبہ کرنے کی بجائے خود اپنی فروگذاشتوں پر ندامت تھی۔ جس کے باعث جان سے پیارا پیغمبر زخمی ہوا۔ اور خود نقصان مایہ و شماتتِ ہمسایہ کے مورد ٹھہرے۔

سنہ ۴ ھ

ابو سفیان حوالی تک ہار نہ جیتا۔ پھر حملہ کی جرأت تو نہ کر سکا مگر مسلمانوں کے خرمن امن میں برابر آگ لگانے میں مصروف رہا۔ قریش نے قبیلہ عضل و قارہ کے کچھ آدمیوں کو گانٹھا۔ اور یہ پٹی پڑھائی کہ مسلمانوں سے جاکر کہو کہ ہم سب مسلمان ہونا چاہتے ہیں۔ اس لیئے چند معلم ہمارے ہمراہ کر دیجیے جب وہ مکر کے پھندے میں پھنس جائیں تو موقع مناسب پاکر انہیں فنا کی گھاٹ اُتار دو۔ بدقسمتی سے مسلمان ان کے دامِ فریب میں آگئے۔ دس معلم عاصم بن ثابت رضؓ کی سرداری میں ان کے ہمراہ کر دیے گئے۔ مشرکین ان مسلمانوں کو دم دے کر مقامِ رجیع تک لائے۔ ادھر بنو لحیان کے آدمیوں کو اشارہ کیا وہ دو سو جوان بے گناہوں پر ٹوٹ پڑے۔ آٹھ کو شہید دو کو گرفتار کیا۔ خبیب رضؓ اور ایک دو زخمی قیدیوں کو مکہ لے جاکر قریش کے ہاتھ بیچ ڈالا جنہوں نے بڑا ایک رچایا۔ ان کے قتل کا دن مقرر کر کے رقصِ بسمل کا تماشہ دیکھنے کو ادھر اُدھر سے لوگوں کو بلایا۔ موت کے انتظار میں ان بے چاروں کو قید رکھا حضرت خبیب رضؓ نے حارث کو جنگِ احد میں قتل کیا تھا۔ اس لیے

وہ بھوک کے پیاس سے حارث کے لڑکے کے قیدی رکھے گئے۔ ایک حارث کی نواسی ہاتھ میں چھری لیے کھیلتی کھلاتی خبیبؓ کے پاس آ گئی۔ حضرت چھری ہاتھ سے لے کر لڑکی کو کھلانے لگے۔ بچی کی ماں خبیبؓ کے ہاتھ میں چھری دیکھ کر کانپ گئی۔ حضرت خبیب معاملہ سمجھ کر بولے۔ اے عورت تو یہ سمجھی کہیں اس معصوم کو قتل کر دوں گا۔ یہ مسلمان کا کام نہیں۔

مقتل میں تماشائیوں کا مجمع ہے۔ حارث کا خاندان حضرت خبیبؓ کو کشاں کشاں لاتا ہے۔ مروجہ رسم کے مطابق جلاّد سوال کرتے ہیں۔ کہ تیری کوئی خواہش ہے۔ حضرت خبیبؓ موت سے پہلے نماز کی اجازت مانگتے ہیں۔ اور اجازت پا کر قبلہ رو ہو کر نماز پڑھتے ہیں۔ پھر اس احتمال سے دو رکعت جلدی ختم کر دیتے ہیں۔ مبادا مشرک سمجھیں کہ مومن موت سے ڈر گیا۔ حضرت خبیبؓ صلیب پر لٹکائے جاتے ہیں۔ چالیس نیزہ باز بے بس پر جھپٹ پڑتے ہیں۔ نیزوں کی انی سے جسم کو چھلنی کرتے ہیں۔ بیان کیا گیا ہے۔ کہ جاں سپاری سے پہلے شہید کی زبان پر یہ شعر جاری اور کفار پر سناٹا طاری تھا۔

و ما ابالی حین اقتل مسلما	جب میں اسلام کے لیے قتل کیا جا رہا ہوں
علی ای شق کان للہ مصرعی	تو مجھ کو اس کی پروا نہیں کہ کس پہلو پر قتل کیا جاؤں گا۔

ادھر ایک ستمگار زید کو موت کے گھاٹ اُتارنے کے لیے تلوار تول رہا تھا۔ کہ ابو سفیان نے بڑھ کر پوچھا۔ کہو زید اگر تمہارے بدلے محمدؐ

قتل کر دیے جاتے تو کیا اس کو اپنی خوش قسمتی نہ سمجھتے۔ زید بولا سنو ابو سفیان۔ سو جان سے پیارے رسولؐ کے پاؤں میں کانٹے کی چبھن برداشت کرنا مشکل ہے۔ مگر جان قربان کرنی آسان ہے۔ ابو سفیان اس تلخ حقیقت کو سُن کر زہر کے گھونٹ پی گیا۔

انہی ایام میں قبیلہ کلاب کا رئیس ابو براء حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ درخواست کی کہ چند آدمی ایسے میرے ساتھ بھیجیں جو میری قوم میں جا کر دعوتِ دین دیں۔ حضورؐ کو تذبذب تھا۔ مگر ابو براء مبلغین کا ضامن بنا۔ ۷۰ انصار کا قافلہ اللہ کے دین کی اشاعت کو نکلا۔ جب ان درویشوں کا یہ گروہ بیرِ معونہ کے مکان پر پہنچا۔ تو انہوں نے ایک صحابی حرامؓ کو آنحضرت کا خط دے کر سردارِ قبیلہ عامر کے پاس بھیجا۔ عامر نے حرام کو شہید کیا۔ اور قبائل میں آدمی دوڑائے۔ ایک بڑا لشکر جمع کیا اور بے خبری میں صحابہ پر ٹوٹ پڑا۔ سب کو تہ تیغ کر کے صرف ایک شخص عمرو رضؓ کو عامر نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا۔ کہ میری ماں نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی۔

ان دونوں روح فرسا واقعات کی خبر آں حضرتؐ کو ایک ہی وقت پہنچی۔ اس صدمہ کی کیفیت بیان کرنے سے بہتر ہے کہ آپ خود ہی اس کیفیت کا اندازہ کر لیجیے۔

ہجرت کے ابتدائی ایام میں یہود اپنی قوت کے نشہ میں اسلام کے خطرے کو خاطر میں نہ لائے۔ جب بدر کے میدان میں قریش کے اقبال کا آفتاب غروب ہوتے دیکھا تو انہیں اپنا مستقبل تاریک نظر آیا۔ اس

لیئے چاہا کہ اسلام کے چراغ کو پھونکوں سے بجھا دیا جائے۔ کہا کہ مسلمان ہیں کیا۔ کوئی اُٹھے گا اور چٹکی بجاتے میں انہیں مٹا دے گا۔ آخر ان کی شرارت پسندی اسلام دشمنی کی حد تک پہنچ گئی۔ اور وہ بے حد گستاخیاں کرنے لگے۔ آنحضرت پر راہ چلتے آوازے کسنا اُن کا معمول ہو گیا۔ مگر یہ پیغمبرؐ کا دل گردہ تھا۔ کہ آپ سب کچھ سُن کر خاموش ہو جاتے تھے۔ کبھی کسی کے سر نہ آتے تھے۔ ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ بنو قینقاع نے ایک مسلمان عورت کو برسرِ بازار برہنہ کر دیا۔ ایک مسلمان موقعہ پر پہنچا اور مفسد کا سر تن سے جُدا کیا۔ یہود نے مل کر ہجوم کیا۔ اور مسلمان کی مل کر بوٹیاں اُڑا دیں۔ اس کے بعد بلوہ عام ہو گیا۔ حضورؐ بھی جنگ پر مجبور ہوئے۔ بنو قینقاع قلعہ بند ہو گئے۔ بالآخر عبداللہ ابن ابی کی وساطت سے ترکِ وطن کی اجازت چاہی۔ آنحضرتؐ نے خون گرانے سے حتے الوسع اجتناب ہی کیا۔ بنو قینقاع کی درخواست کو قبول کر لیا اور وہ شام میں جا آباد ہوئے۔

سنہ ۴ھ کے واقعات کے ماتحت بیرِ معونہ کا ذکر آ چکا ہے۔ کہ عمرو رضؓ کو عامر نے چھوڑ دیا تھا۔ اُس نے واپسی پر دو راہ گذروں کو اس شبہہ میں قتل کر دیا کہ یہ اُن سپاہیوں میں سے ہیں جنھوں نے میرے ساتھیوں پر ہاتھ صاف کیا تھا۔ لیکن یہ دوستدار قبیلہ کے لوگ نکلے۔ آنحضرتؐ نے قصہ سُنا تو افسوس کیا اور اس قبیلہ کے تالیفِ قلوب کی خاطر خونبہا ادا کرنا مناسب سمجھا۔ بنو نضیر بروئے معاہدہ ایک حصہ خونبہا کے ذمہ دار تھے سرورِ عالم بنفسِ نفیس ان یہودیوں کے ہاں گئے۔ انھوں نے بظاہر

ہاں کر دی۔ درپردہ چاہا کہ شمع رسالت کو گل کر دیں۔ سازش یہ تھی کہ جونہی حضور سایۂ دیوار میں دم لیں عمرو بن حجاش یہودی آنحضرت پر ایک بڑا پتھر بالاخانہ سے لڑکا دے۔ خدا کے نبی کو دشمنوں کی سازش کا حال معلوم ہو گیا۔ اگرچہ حضورؐ مدینہ میں واپس آ گئے۔ مگر بنو نضیر کے دل میں چور تھا۔ وہ مخالفانہ جوڑ توڑ میں لگ گئے۔ عبداللہ ابن ابی کی انگیخت اور بنو قریظہ کی معاونت کے بل بوتے پر سرکشی اختیار کی۔ انہیں اپنی قلعہ بندیوں پر بڑا ناز تھا۔ کھلے میدان میں مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ بند ہو بیٹھے۔ جب محاصرے کی شدت بڑھی تو آنکھیں کھلیں۔ قیاس کیا کہ مسلمانوں سے مڈبھیڑ ہوئی تو ان سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں۔ اس لیے بنی قینقاع کی پیروی میں ترکِ وطن کی اجازت چاہی۔ جو منظور ہوئی۔ یہود کے مذہبی غلبہ اور اُن کی رعایت کے سبب بعض انصار کی اولاد نے یہودی مذہب اختیار کیا ہوا تھا۔ اس لیے بنو نضیر کے جانے کے وقت یہ نزاع پیدا ہوا کہ بنو نضیر انہیں اتحادِ مذہب کی بنا پر ساتھ لے جانا چاہتے تھے مسلمان روکتے تھے۔ اُس وقت قرآن کی یہ آیت اُتری۔

لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ مذہب میں زبردستی نہیں۔

مسلمان خدا کے حکم کے پابند ہو گئے۔ وہ لوگ آزاد ہوئے جہاں چاہیں جائیں جن کے ساتھ رہنا چاہیں رہیں۔ آخر بڑا اودھم مچاتے ناچتے گاتے نواح مدینہ سے کوچ کر کے خیبر میں جا بسے اور وہاں بیٹھ کر اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں میں لگ گئے۔ اس نازک وقت پر اس حکم کی تعمیل اسلام کی

انتہائی رواداری کی دلیل ہے۔ قیاس کرو۔ انصار کے لیے وہ نظارہ کس قدر دل شکن ہوگا۔ جب مغلوب دشمن انصار کی اولاد کو فاتحانہ مسرت سے ساتھ لیے جارہا ہوگا۔ مسلمان خدا کے حکم سے مجبور ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کے مصداق ان کی روانگی کو حسرت و یاس کے ساتھ دیکھ رہے ہوں گے۔

ہجرت سے مہاجرین نے بیشک کمال کر دکھایا تھا۔ انصار نے مہمان نوازی میں کم ایثار کا ثبوت نہ دیا۔ زندگی میں نووارد کو شریک جائداد کرنا کسی دنیا دار کو پوچھو۔ کتنا مشکل ہے۔ لیکن یہ مشکل امر صرف انصارِ مدینہ نے آسان کر دکھایا۔ کامل چار برس ہوئے جنگ کی مصیبت اور ہر وقت کا خطرہ موجود ہے۔ مگر ایسے نامساعد حالات میں کسی میزبان کا کبھی ماتھے پر شکن نہ ڈالنا۔ اندازہ لگاؤ کیسی وسعتِ قلب کا ثبوت ہے۔ اب جب کہ قسمت نے کسی قدر خوشگوار پلٹا کھایا۔ اور مسلمانوں کے اقبال کا ستارہ چمکا۔ تو انصار نے اور بھی ایثار کا مظاہرہ کیا۔ کون نہیں جانتا۔ کہ ہر جنگ میں انصار نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ اب جب کہ بنو نضیر کی وسیع جائداد کی تقسیم کا سوال پیدا ہوا۔ تو آنحضرتؐ نے انصار کو یوں کہا۔ کہ دیکھو عزیزو چاہو تو بنو نضیر کا مال املاک باہم تقسیم کر لو۔ اور اگر اجازت دو تو خانماں برباد مہاجرین کو سونپ دوں۔ تاکہ تم سبکدوش ہو جاؤ اور وہ اپنے گھر کا بوجھ خود اٹھائیں۔ تم نے سنا حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت سعدؓ بن عبادہ نے انصار کی طرف سے کیا جواب دیا۔ کہا کہ اے خدا کے رسول یہ مال و

دولت ہمارے غریب الوطن بھائیوں میں تقسیم کر دیجئے۔ اور انہیں بدستور سابق ہمارے ساتھ رہنے کی بھی اجازت دیجیے۔ اس جواب پر حوریں جھوم گئی ہوں گی۔ فرشتوں نے خدا کی حمد کا ترانہ گایا ہوگا۔ شیطان سر تھام کر بیٹھ گیا ہوگا۔ ایسے ایثار پیشہ مسلمان کس خاک میں چادر اوڑھ کر سو گئے۔ اب تو جس کو دیکھو۔ اپنے بھائی کا حق دبانے کی فکر میں ہے۔

۵ھ غزوۂ مریسیع

اہل عرب نے جب دیکھا کہ نور و نکہت کا سیلاب مدینہ سے نکل کر ہر طرف پھیلنے لگا۔ تو ان کے خواب پریشان ہو گئے۔ اور فضا میں برچھیاں تیرتی نظر آئیں۔ بعض قبائل نے اسلام کے خلاف علیحدہ اقدام کیا۔ اور منہ کی کھائی۔ آنحضرتؐ سے زیادہ ہوشیار جرنیل کون تھا۔ دشمن کی نقل و حرکت ان پر آئینہ تھی۔ جونہی بنی مصطلق کے رئیس حارث نے سر اٹھایا آپ نے صحابہ کو ہتھیار باندھنے کا حکم دیا۔ معمولی حرب و ضرب کے بعد دشمن کی جمعیت پریشان ہو گئی۔ حارث کی بیٹی گرفتار ہوئی۔ جس نے آنحضرت صلعم سے شادی کی درخواست کی۔ آپ نے حارث اور بنی مصطلق کی تالیف قلوب کے لیے درخواست قبول کر لی۔ اس ناطہ کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سب اسیر رہا ہوئے۔ اور ان میں سے اکثر اسلام لائے۔

خدا کے برگزیدہ بندے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر جسمانی یا روحانی تکلیفیں پہنچتی ہیں۔ ان میں قضا و قدر نے امت کے

لیے ہزاروں عبرتیں پوشیدہ رکھی تھیں۔ غزوۂ احد میں مسلمانوں کی شکست آنے والی فرض ناشناس نسلوں کے لیے کس قدر عبرت آفریں ہے۔
غزوۂ مریسیع کی واپسی پہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا۔ جو سینکڑوں عبرتوں کا حامل ہے۔ غزوہ سے واپسی کا حکم ہو چکا تھا۔ حضرت عائشہ رض جو جنگ میں حضور ؐ کے ہمراہ تھیں۔ رفع حاجت کے لیے اونٹ سے اُتریں۔ فوج نے کوچ کی تیاری کر دی۔ پڑتال کے بغیر رختِ سفر باندھ کر سب چل دیے۔ حضرت عائشہ کے رہ جانے کا کسی کو گمان بھی نہ گذرا۔ ام المومنین فوج کا نشان نہ پاکر حیران ہوئیں۔ اتفاق سے قافلہ اسلامی کا ایک رکن صفوان جو ہمیشہ قافلہ کے پیچھے پیچھے رہا کرتا تھا تاکہ قافلہ والوں کی گری پڑی چیزیں سنبھال سکے۔ وہاں پہنچا۔ وہ حضرت عائشہ کو ہمراہ لے کر مدینہ میں پہنچا ناموسِ اسلام کے دشمنوں کے ہاتھ بہانہ آگیا۔ عبداللہ ابن ابی نے اس واقعہ کو خوب اُچھالا۔ آنحضرت صلعم نے ایک عرصہ منافقوں کی زباں درازی سے صدمے اُٹھائے۔ آخر اللہ تعالےٰ نے ایک آیت سے حضرت عائشہ رض کی برأت کی۔ مسلمانوں نے اطمینان کا اظہار کیا۔
رسول ؐ کے نام لیوا مسلمانو! کسی بی بی بہن پہ اتہام لگانے کی بجائے اپنے ہاتھوں سے اپنی زبان کاٹ لو۔ تاکہ دوزخ کی آگ سے بچاؤ ہو سکے۔ اور جو کسی وجہ سے پاکباز بیبیوں کی رسوائی کا باعث ہوتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچانے والوں کی پیروی کر کے انہی کی جائے قیام کے قریب اپنا گھر بناتا ہے۔ حضرت عائشہ رض کے حق

ہیں۔ آیت اترنے سے پہلے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انگاروں پر لوٹنا پڑا۔ اس کے بیان سے اس کا تصور بہتر ہے۔ اسے افترا پردازو لوگو امت کی ہر بی بی حضرت عائشہ صدیقہ کی اولاد ہے۔ ان مومنیوں کی بے آبروئی میں لطف حاصل نہ کرو۔ اور اُن زبان درازوں کی حوصلہ افزائی نہ کرو جو خانہ نشینوں کے خلاف افواہیں اُڑاتے ہیں۔ افک کے اس واقعہ میں عبرت کی دنیا پوشیدہ ہے۔ اور سبق آموزی کے ہزاروں سامان ہیں۔ قضا و قدر کا اشارہ یہ ہے کہ عورت کی آبرو کے معاملہ میں مومن محتاط رہیں۔ خدا کے پیاروں کے جسم وجان پر قدرت مسلسل جراحی کرتی ہے تاکہ طالبانِ جنت پر مسائل حیات اور معاملاتِ زندگی آسانی سے آشکارہ ہو جائیں۔ اور ان کی واردات سے سبق سیکھیں۔ عمل سے عاری مسلمان کو کیا کہا جائے۔ جو حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی مسلسل کاوشوں اور صدموں میں بھی اپنے لئے کوئی عبرت نہیں پا سکتے۔ حلقۂ احباب میں بیٹھ کر خوش طبعی اور آرائش محفل کے لیے پاکباز عورتوں کی عصمت پر افترا باندھتے ہیں۔ یاد رکھو ایسے لوگ اپنے پاؤں سے چل کر خود دوزخ میں جاتے ہیں۔

محمد ابن عبد اللہ اور عبد اللہ ابن ابی

جنگ کی آزمائشوں میں سے کامیاب گذرنا آسان ہے۔ دولتِ دنیا کو دین پر قربان کرنا سہل ہے۔ مگر منافقوں سے نباہ کرنا اور اُن کی ہزار

شر انگیزیوں کے باوجود ایک دفعہ بھی ان سے تعرض نہ کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی حوصلہ تھا۔ سانپ کے سامنے دودھ رکھکر ہٹ جانا ممکن ہے۔ مگر مارِ آستیں منافق کو پالنا پیغمبری ہے۔ دیکھو محمد ابن عبد اللہ اور عبد اللہ ابن ابی میں خلوص و نفاق کا معرکہ جاری ہے۔ ابن ابی آتشِ خاموش ہے۔ ابن عبد اللہ دامنِ عافیت ہے۔ اس تماشا گاہِ عالم میں کسی نے یہ کھیل کب دیکھا تھا۔ کہ دامنِ کرم آتشِ سوزاں کو پناہ دے۔ رسول ص کے کمالِ اخلاق نے دنیا کو یہ تماشا کامیابی سے دکھایا۔ ابن ابی مسلمان ہوکر عمر بھر مسلمانوں کو خاک میں ملانے کے منصوبے کرتا ہے۔ مگر پاک سرشت پیغمبر کے شیشۂ دل پر غبار نہیں آتا۔ وہ آتشِ فساد بھڑکاتا ہے۔ یہ رحمت و کرم کی بارش برساتے ہیں۔ پیغمبر ص کے صبر کو دیکھ کر صحابہ رض بے صبر ہو جاتے ہیں۔ تو بھی آنحضرت تحمل کی تلقین فرماتے ہیں۔ عبد اللہ ابن ابی کبھی مکّہ سے مصیبت کی آندھی اُٹھا لاتا ہے۔ اور خود تاریکی میں سایہ کی طرح جُدا ہو جاتا ہے۔ کبھی امہات رض پر اتہام لگاکر رسالت مآب کے گھر اطمینان کی جنت کو دوزخ بنانے کی سعی کرتا ہے۔ لیکن آنحضرت گرم مزاجی کا مظاہرہ نہیں فرماتے۔ وہ کبھی اس قبیلہ کو کبھی اُس قبیلہ کو اکساتا ہے۔ مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتھے پر شکن نہیں پاتا۔ آخر وہ جنگِ احزاب میں قبیلوں کے لشکر چڑھا لاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کھلے دشمنوں کا خندقوں میں چھپ کر مقابلہ کرتے ہیں مگر اس چھپے دشمن سے کو علانیہ نہیں ٹوکتے۔ اصحاب اس شر انگیز کو موت کے گھاٹ

اُتارنے کی اجازت مانگتے ہیں۔ حلم وعفو کے پتلے نے کہا۔ دوستو! دنیا کہیگی محمد نے ایک ساتھی کو قتل کر دیا۔ مخلص بیٹا منافق باپ عبد اللہ ابن ابی کے قتل کی اجازت چاہتا ہے لیکن اس کی اجازت نہ پاکر واپس لوٹ جاتا ہے۔ یوں تو مسلمانوں کے ہاتھوں سینکڑوں مغروروں کے سر مدینے کی خاک میں مل گئے۔ عبد اللہ ابن ابی کی گوشمالی کچھ زیادہ قیامت خیز نہ تھی۔ لیکن یہاں اُمت میں یہ سنت جاری کرنا مقصود تھی کہ جو بظاہر اسلام کے دامن میں پناہ لے اُس پر کوئی انگلی نہ اُٹھائے۔ آنحضرت صلعم ہر چند فتنہ سامان منافقوں کی فساد انگیزیوں سے تنگ تھے لیکن کبھی نام لے کر حرفِ شکایت زبان پر نہ لاتے تھے جس طرح نسیم صبح کانٹوں اور پھولوں میں سے یکساں گذرتی ہے اسی طرح آنحضرت صلعم مومنین اور منافقین میں گذر اوقات کرتے تھے۔ کیا مجال کہ کبھی کسی کا نام لے کر کسی کو فہمایش کی ہو۔ کبھی اشد ضرورت داعی ہوئی تو فرمایا کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا۔ جو ایسا ایسا کہتے اور کرتے ہیں۔ پاک نبی اشاروں سے نصیحت ارشاد فرمایا کرتے تھے۔ باوجود اس حکم کے منافق شکر چڑھا زہر بنے رہے۔ آپ نے ان کے اعمال کی حقیقت کو کبھی واشگاف بیان نہ فرمایا۔ لیکن باوجود اس کمالِ عفو اور درگذر کے یاد رہے کہ منافقوں کی مضرت رساں چالیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دور رس نظر سے چھپی ہوئی نہ تھیں۔ منافق جتنا کاتتے تھے مسلمان اُس کی روئی بنا دیتے تھے۔ منافقین کی تدبیر کو مومنین کی فراست کے مقابلہ میں ہمیشہ ہتھیار ڈالنے پڑے۔

بھلا وہ مومن ہی کیا جو مکر کے پھندے میں مکرر پھنس جائے۔ اور ایک سوراخ سے دوبارہ ڈسا جائے۔ عبداللہ ابن ابی ہر چند بڑا ترکیبیا تھا مگر پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے حزم واحتیاط اور تدبیر کے سامنے سب ترکیبیں دھری رہ گئیں۔ اپنی ہر چال میں مات کھا کر منافقوں کا رئیس آخر موت کی گھڑیاں گننے لگا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عروج اور اپنے زوال کے غم میں گھل گھل کر جان پروردگار جہاں کے سپرد کی۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عبا اس پر اوڑھائی خود قبر میں اُتارا اور دعا کی دنیا نے اس نظارہ کو دیکھ کر کہا کہ حلم و عفو نے نفاق اور حسد کو خاک میں ملا دیا۔

غزوۂ خندق

فتح مشکل پسند ہے۔ ناکامی راحت طلبی کا نام ہے خدا کے رسول پر تکلیفوں کا ہجوم رہا۔ لیکن انہی مصیبتوں کے بادل سے اس کے اقبال کا آفتاب تابندہ نکلا۔ بنو نضیر نے خیبر میں آباد ہو کر مسلمانوں کی بربادی کے مشورے کیئے۔ خود کمر ہمت کس کر تدبیر کے گھوڑے دوڑانے شروع کیئے۔ اسلام کی سلامتی کو خطرہ کا پیش خیمہ ظاہر کر کے قبائل کے تعصب کو برانگیختہ کیا۔ آخر بنو نضیر کا اُٹھایا ہوا فتنہ بڑھ کر قیامت بننے لگا۔ تمام قبائل متحد ہو کر مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے ارادے سے تیار ہو گئے۔ عاقبت اندیش پیغمبر کی نگاہ دوربین نے اس طوفان کو دیکھا۔ مسلمانوں کو جمع کر کے

خطرہ کی طرف اشارہ کیا۔ سلمانؓ فارسی نے عجمی طریقۂ جنگ کے مطابق خندق کھود کر محفوظ ہونے کا مشورہ دیا۔ تاکہ دشمن اگر پار اُتر آئے تو زندہ نہ جائے حضرت سلمان فارسیؓ کی تدبیر اسلام کی فتح کا ذریعہ بن گئی۔ ورنہ چوبیس ہزار کیل کانٹے سے لیس دشمنوں سے تین ہزار بے سروسامان مسلمانوں کا کیا مقابلہ تھا۔ دیکھو دشمن قبائل کے سردار لاؤ لشکر لیئے منزلیں طے کرتے مدینہ کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ لڑائی سے پہلے ہی فتح کے نشہ میں جھوم رہے ہیں۔ ادھر خدا کی حمد و تقدیس بیان کرنے والے مومن پیٹ پر پتھر باندھ کر مٹی میں اٹے ہوئے خندق کھود رہے ہیں۔ وہ پیغمبر جس کا ذکر آسمان پر ہے۔ زمین پر ایک بے کس مزدور کی طرح مٹی کھود کھود کر خندق کے باہر پھینک رہا ہے۔ نبی اور اُمتی میں کوئی پہچان نہیں۔ خاکساروں کی یہ جماعت سر سے پاؤں تک گرد و غبار کے لباس میں ملبوس ہے سب پر تین دن کا فاقہ۔ اس پہ یہ محنتِ شاقہ۔ لیکن صبر و شکر نے ان کی نظروں کے سامنے اطمینان کی جنت کھول رکھی ہے۔ اور وہ کامل سکون سے باہم مل کر یہ شعر پڑھتے ہیں۔

نحن الذی بایعوا محمدا	ہم نے محمد کے ہاتھ پر ہمیشہ کے لیئے
علی الاسلام ما بقینا ابدا	اسلام کی بیعت کی ہوئی ہے۔

دنیا میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون ہو سکتا تھا کہ لوگ اُس کے ہاتھ پر بیعت کریں۔ شرف و شعور کے لحاظ سے کوئی انسان اُن کے ہم پلہ پیدا ہوا ہے؟ حرب و ضرب میں کون اُن کی ٹکر کا ہے خندق

کھودتے ایک چٹان حائل نظر آتی ہے۔ صحابہؓ ایک ایک کر کے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ اور تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کی ہمت کسی شکست کو قبول نہیں کرتی۔ آگے بڑھتے ہیں۔ باوجود مسلسل فاقہ کے اپنے آہنی ارادہ سے پتھر توڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ آخر مجاہدین کے گروہ نے جن کی جان میں نیکی کا نور لہرا رہا تھا۔ کام کو انجام تک پہنچایا۔ اگرچہ محنت اور فاقہ سے اُن کے چہرے کملائے ہوئے تھے۔ لیکن ان میں حسن سرمدی کی مقدس لطافتیں جھلک رہی تھیں۔ خندق کی کھدائی ختم ہوئی ہی تھی کہ جنگ کا آغاز ہو گیا۔ منافقین نے مومنین سے یہ کہہ کر کنارہ کیا۔ کہ ان کے گھر غیر محفوظ ہیں۔ بنو قریظہ نے بھی عین وقت پر مشکوک روش اختیار کی۔ آنحضرت صلعم سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو ان بغلی گھونسوں کے پاس سفیر بنا کر بھیجا کہ دیکھو قول نہ ہارو۔ یہود نے جواب دیا کہ ہم نہیں جانتے محمد کون ہے۔ اور قول کیا ہے۔ اور اقرار کیا ہے۔ اِدھر دشمن کا ڈر اُدھر حلیفوں سے مایوسی۔ ناچار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ غطفان سے اِس شرط پر معاہدہ کرنا چاہا۔ کہ مدینہ کی پیداوار کی ایک تہائی اُن کو دی جائے۔

جنگی کونسل طلب ہوئی۔ انصار کے سردار سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ نے مداخلت کر کے پوچھا۔ کہ یہ حضور کی رائے ہے یا خدا کا حکم۔ آخری صورت میں تو سرتابی کی تاب نہیں۔ البتہ مشورہ کی صورت میں ہماری رائے یہ ہے۔ کہ ہم نے کفر کی حالت میں کسی کو خراج نہیں دیا۔

اسلام کے غلام کسی کے باجگذار کیسے بن سکتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے بے مثال استقلال کو دیکھ کر خوش ہو گئے۔ دین کے دشمنوں کو کہا گیا کہ جاؤ جو بن آئے کر دکھاؤ۔

دشمن کی حوصلہ مندیاں رزم آرائی کے لیے بے تاب تھیں۔ وہ کثرتِ تعداد کے بل بوتے پر سیلاب کی طرح امڈے چلے آتے تھے۔ مسلمانوں کو حقیر سمجھنے والوں نے جب سامنے خندق کھدی دیکھی تو حیرانی سے خندق کی طرح مُنہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ مسلمانوں کے اس اسلوب جنگ کا جواب نہ بن آیا۔ ناچار محاصرہ کیا۔ دور سے تیروں کا مینہہ برسانے لگے۔ ادھر محاصرہ کی شدت اور رسد کی قلت ستم ڈھا رہی تھی۔ ادھر بنو قریظہ کا خطرہ تھا۔ تاہم مسلمان صبر و استقلال سے خم ٹھونکے کھڑے تھے۔ بنی قریظہ کی دست درازیوں کے احتمال سے عورتوں کو قلعہ میں بھیجدیا گیا۔ خود اللہ کے بھروسے پر ٹڈی دل قبائل کا مقابلہ کرنے کے لیے یکسو ہو گئے۔ ایک جگہ سے خندق کا پاٹ کم تھا۔ یہی مقام حملہ کا مرکز ٹھہرا۔ دشمن نے جان توڑ کوشش کی۔ قبائل الگ الگ اور مل مل کر حملہ آور ہوئے۔ مگر ان کی ہر یورش پر خاک پڑی اور وہ خندق عبور نہ کر سکے۔ اگر وہ اپنے ارادہ میں کامیاب ہو جاتے۔ اور خندق عبور کر آتے تو مسلمانوں کا قلع قمع مشکل نہ تھا۔ مسلمانوں پر بیم و رجا کی کیفیت کا اندازہ اسی ایک امر سے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس لڑائی میں متصل چار نمازیں قضا ہوئیں۔

نماز محبت ہے اور جہاد فرض۔ ادائے فرض کے لیے محبت

کا ترک معیوب نہیں۔ ازل کی جلوہ پاشیوں سے لطف اندوزی نماز ہے نور و ضیا کی دلفریب وادی سے نکل کر فرض کی خار دار گھاٹیوں میں آنا جہاد ہے۔ یہ نماز کی قدر کم نہیں کرتا۔ بلکہ حق یہ ہے کہ جہاد کو نماز پر فضیلت ہے لیکن اب تو نمازیں پڑھ کر تلی فرایض سے مسلمان سبکدوش ہو جاتا ہے۔ قوم کے حفظ و بقا کے لیئے جد و جہد گویا مسلمان کے وظیفۂ حیات میں داخل ہی نہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احزاب میں مصروف جہاد رہنے کی بجائے مشغول نماز ہو جاتے تو حفظ و بقا کی تدبیر میں جو جرنیل کا مقدس فرض ہے غفلت ہو جاتی۔ ناکام لیڈر اور شکست خوردہ جرنیل دنیا کا بدترین انسان ہے۔ وہ سو تدبیر سے نسلوں کو فنا کرتا ہے۔ ملک کی بیشمار بدقسمتیوں کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ سیاسی اور حربی لیڈر کی تدبیر سے قوم کی قسمت ہمیشہ وابستہ ہوتی ہے۔

دیکھو وہ کشور کشا قلب لشکر میں کھڑا فوج کی نقل و حرکت کا جائزہ لے رہا ہے۔ اس کی دور رس نظر دشمن کے کل اور جزو کو دیکھتی ہے۔ مخالف جدھر دباؤ ڈالتا ہے۔ ادھر سے وہیں زور ڈالا جاتا ہے۔ تاہم عام حملہ میں ضرار۔ ہبیرہ۔ نوفل۔ عمرو بن عبد ود عرب کے نامور سرداروں نے گھوڑوں کو مہمیز کیا۔ اور خندق کے اس پار آ گئے۔ عمرو بن عبد ود ۹۰ برس کی عمر میں بھی لوہے کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا۔ اور بڑھاپے میں جوانوں کو خاطر میں نہ لانے والا۔ اس نے دستور عرب کے مطابق مقابلے کے لیئے پکارا۔ مسلمانوں میں اس کے مقابلے کی ٹکر کا کون تھا۔ ہر طرف سناٹا

ہو گیا۔ بلند عزم علیؓ جن کی بے پناہ تلوار سے کوئی بچ نہ سکا اُٹھے۔ حضورؐ نے فرمایا علیؓ یہ عمرو ہے۔ علیؓ نے عرض کی میں جانتا ہوں۔

کسی کو امید نہ تھی کہ دست بدست لڑائی میں کوئی عمرو کے مُنہ آسکے گا علیؓ پیدل تھے اور عمرو سوار۔ بہادر کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا۔ اس لیے گھوڑے سے اُتر کر زمین پر آگیا۔ بوڑھا اور جوان دونوں ڈھال اور تلوار کے جوہر دکھانے لگے۔ نہ علیؓ آج تک ہارا تھا۔ نہ عمرو کو کسی نے پچھاڑا تھا۔ ہر طرف خاموشی طاری تھی۔ شہ زور بوڑھے نے۔ اس بے جگری سے حضرت علیؓ پر حملہ کیا کہ تلوار سپر سے ڈوب کر علیؓ کی پیشانی پر لگی۔ اگرچہ زخم کاری نہ تھا۔ مگر خون کا دھارا بہ نکلا۔ عالی ہمت علیؓ سراسیمہ نہ ہوئے بلکہ زخمی شیر کی طرح حملہ کیا۔ تلوار عمرو کا شانہ کاٹ کر نیچے اُتر ی۔ عمرو اُف کہہ کر گرا۔ علیؓ نے تکبیر کا نعرہ بلند کیا۔ مسلمان فتح کی خوشی میں اچھلے۔ کفار کے ہاں بِٹس پڑ گئی۔ عمرو کے بعد کس کی ہمت تھی کہ ٹھہر سکتا۔ پھر دشمن کو خندق پار آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ اب اس امید پر ڈیرے ڈال کر پڑ گئے کہ محاصرہ کا طول محصورین کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دے گا۔ لیکن خُدا کی مہربانی یہ ہوئی کہ ہوا کی تیزی نے طوفان کی صورت اختیار کی۔ خیمے اُکھڑ گئے۔ فوج میں افراتفری مچ گئی۔ یادو باراں میں دشمن کو خدائی ہاتھ چھپا دکھائی دیا۔ تو میرے میں تیرے آگے بھاگا۔ مطلع صاف ہوتے ہی میدان بھی صاف ہو گیا۔ ہر چند مستورات کے لیئے محفوظ مقام کا انتظام تھا۔ مگر بنی قریظہ نے عورتوں پر ہاتھ اُٹھانے کی سعی کی۔ ایک یہودی تو قلعہ

کے قریب آگیا۔ حضرت صفیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی نے کمال ہمت سے خیمہ کی چوب سے اُس کا سر پھوڑا۔ اور سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دیا۔ اب یہودیوں کو یقین ہوگیا کہ قلعہ میں عورتوں کے ساتھ مرد بھی ہیں۔

احد کی شکست کے بعد جنگ خندق میں کامیابی سے مسلمانوں کی پھر سے دھاک بندھ گئی۔ اسلام پراگندہ حالی سے نکل کر ایک قوت قرار پاگیا۔ سلمان فارسی کی تدبیر اور اس تدبیر کے مطابق پیغمبرؐ کے عمل نے مسلمانوں کی قسمت کا پانسہ پلٹ دیا۔ عرب کا سردار عجم کے طریقۂ جنگ سے فائدہ نہ اُٹھاتا تو نتیجۂ جنگ مشتبہ ہوتا۔ پیغمبر جو براہِ راست اکتساب علم کرتے ہیں امورِ دنیا میں وہ دنیاداروں کے تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور اپنے زمانہ کی ترقیوں سے فائدہ اُٹھانا جب پیغمبر کے لیئے بھی معیوب نہیں تو اُمتی کے لیئے تو بدرجہ اولےٰ فرض ہے۔ جو علم مخالفِ اخلاق نہیں وہ رحمت ہے۔ اُس کا حاصل کرنا نیکی ہے۔ علم کی ترویج میں رکاوٹ پیدا کرنا نامسلمانی ہے۔ نئی ایجاد سے فائدہ اُٹھانا اسلام کی ترقی کے لیے ضروری ہے۔ عرب کے بدوؤں کی طرح نہ کرنا کہ ٹیلیفون کو بدعت اور اس کی آواز کو صوت الشیطان کہہ دیا۔ آلات کو زمین پر گرا کر لاحول پڑھ کر بھاگ جاؤ۔ اور ملک میں ریل جاری ہو تو قبیلہ کے لوگوں کو مدد کے لیئے پکارو اور سب لاٹھیاں لے کر انجن پر پل پڑو۔ تاکہ اونٹ کی طرح مار مار کر اُس کو ملک سے نکال دو۔ مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ مرکزِ علم وہنر اور سرچشمۂ فیض وکرم ہو

جس طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں سب پیغمبروں کے فضائل تھے۔ اسی طرح اس کی امت میں اپنے عہد کی خوبیاں موجود ہونا چاہئیں۔ تاکہ دنیا کی رہنمائی کی کفیل ہو سکے۔

عقل کے دشمنوں نے دنیا کے حالات سے بے خبری کا نام نیکی رکھ دیا۔ اپنے نفع و نقصان اور اپنی قوم کے نفع و نقصان سے غافل وقت کے ولی کہلانے لگے۔ نیکی اور بھلائی کیا ہے۔ اس کا جواب آنحضرت کے عمل میں ڈھونڈنا چاہیے۔ آپ جونہی۔ جنگِ احزاب سے فارغ ہوئے بنو قریظہ کو بازپرس کے لیے بُلا بھیجا۔ لیکن وہ تو بنو نضیر کے سردار اور اسلام کے مشہور دشمن ابن اخطب کے بھڑکائے ہوئے تھے۔ محمد صلعم کے دامن کرم میں پناہ پانے کو وہ گناہ سمجھنے لگے تھے۔ اور زبان کی بجائے تلوار سے فیصلہ چاہتے تھے۔ آمادہ بہ پیکار ہمسایہ دنیا کی سب سے بڑی مصیبت ہے پیغمبر کب تک قوم کو اس خطرے اور مصیبت میں ڈالے رکھتے اور سر نہ آئے خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ بنو قریظہ سر دھڑ کی بازی لگانے کی پوری طیاری کر چکے ہوں۔ فوج کو کمریں کھول دینے کا حکم نہ دیا جا سکتا تھا۔ مجبوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کو بنو قریظہ کی قلعہ بندیوں کی طرف بڑھنے کا حکم دیا انہیں اپنے استحکامات پر بڑا ناز تھا۔ لیکن غرور کب کسی کے کام آیا ہے۔ ۲۵ روز کے محاصرہ کے بعد رسد ختم ہو گئی۔ اور چھٹی کا دودھ یاد آ گیا۔ صلح کے ڈورے ڈالنے شروع کیے۔ بداعتمادی اور غرور کے ملے جلے جذبات کا نتیجہ تھا۔ کہ انہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم

بنانے کی بجائے اپنی قسمت کا فیصلہ اوس کے سردار حضرت سعد بن معاذ
کے سپرد کر دینے پر آمادگی ظاہر کی۔ حضرت سعد بن معاذ ان کے حلیف تھے
اس بنا پر اُن سے نرم فیصلہ کی امیدیں لگا کر بیٹھ گئے۔ سعد بن معاذ جنگجو
سپاہی تھے۔ سپاہی کے نزدیک جو قیمت اُس کی اپنی جان کی ہے۔ وہی
قدر دوسروں کی زندگیوں کی ہے۔ مغلوب ہو گئے تو مرنے کا افسوس نہیں
غالب ہوئے تو مار ڈالنے میں تردد نہیں۔ بنو قریظہ کی تقدیر نے اُن کی عقل
پر پردہ ڈال دیا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سعد کو ترجیح دی۔ رحمِ مجسم
کی بجائے جنگجو سپاہی کے ہاتھ میں فیصلہ دے دیا۔ سعد بن معاذ اسی
جنگ میں ایسے زخمی ہو چکے تھے۔ کہ جاں بر نہ ہو سکے۔ زخمی شیر نے یہودی
شریعت کے مطابق سب کا سر قلم کرنے کا فیصلہ کر دیا۔ مسلمانوں کی گردنیں
اس فیصلہ کی سختی سے جھک گئیں۔

معترض! معاذ کو ملعون نہ کر زخمی شیر کے حملے اور جنگجو سپاہی کے
فیصلے ایسے ہی بے پناہ ہوتے ہیں۔ معاذ جیسے بے باک سپاہی سے رحم کی
امید کرنا اور وہ امید پوری نہ ہونے کی صورت میں اسلام کو ہدف ملامت
بنانا بے انصافی ہے۔ معاذ کی سیرت کا مطالعہ کرو۔ اپنی آتشیں مزاجی سے
مجبور تھے۔ اور صلح کے ارادوں میں بھی پہاڑ کی طرح حائل ہو جاتے تھے۔ اسی
جنگ میں بنو غطفان سے صلح کے راستے کون روک کھڑا ہو گیا تھا۔ پھر اسی
جنگ میں اُن کے زخمی ہونے کے واقعہ پر نظر ڈالو۔ کسی مصروفیت کے باعث
معاذ کو جنگ میں پہنچنے سے دیر ہو گئی۔ وہ ہاتھ میں حربہ لیے زرہ بکتر پہنے

بغیر محاذِ جنگ کی طرف بھاگتے ہیں۔ بہادر ماں اس دلیری پر بیٹے کو ملامت کرتی ہے۔ مگر یہ اپنی فطرت میں بے باک ملامت اور شاباش سے بے نیاز میدانِ محاربہ کی طرف بھاگے جا رہے ہیں۔ جنگ کے جوش میں زرہ بکتر کا بھی خیال نہیں رہا جسم کے بعض حصے تیروں کا نشانہ بننے کے لیے کھلے ہیں۔ اور اس حالت میں جانباز سپاہی کی زبان پر یہ جنگی ترانہ ہے۔

لبثت قلیلاً تدرك الهیجا حمل　　لا باس بالموت اذا الموت نزل

ذرا ٹھہر جا تا کہ لڑائی میں ایک اور شخص پہنچ لے　　جب وقت آگیا تو موت سے کیا ڈرنا ہے

اسی حالت میں کھلے ہاتھ میں تیر آ لگتا ہے۔ اور اکحل کی رگ کٹ جاتی ہے۔ یہی زخم موت کا باعث ثابت ہوتا ہے۔ انصاف کرو ایسے شخص سے ان حالات میں اور کس فیصلہ کی توقع ہو سکتی تھی۔ اور جب کہ ملک کا مروجہ قانونِ جنگ بھی یہی تھا۔ غیر معمولی حالات میں غیر معمولی فیصلے کا حق متمدن قوم میں اب تک محفوظ ہے۔ یورپ کے مسیحی معترض اس واقعہ کو اب تک اچھال رہے ہیں۔ بے شک اس فیصلہ پر عمل درآمد کیا گیا۔ ۱۴ سو سال گذرے زمانہ کے اس فیصلہ کا مقابلہ اس دورِ ترقی و تہذیب کے تازہ واقعات سے کرو۔ دیکھو ہٹلر نے جرمنی میں کیا کیا۔ اپنی نہتی اور بے عذر رعایا کو کس طرح کاٹ کے ڈال دیا۔ برخلاف اس کے معاذ کے اس فیصلہ کے خلاف جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپیل کیا اس کی جان بخشی کر دی گئی۔ بے شک رحم کی اپیل کرنے والے کم تھے۔ مگر اس میں رحم دل پیغمبر کا کیا قصور ہے۔ عرب بہادر تھے۔ وہ زندگی کے لیے دشمن کے سامنے رحم کی درخواست

اپنی عزتِ نفس کے منافی سمجھتے تھے۔ ان یہود کے لیے درخواست مشکل اور پیغمبر کے لیے سرکشوں کو چھوڑنا ناممکن تھا۔ بنو نضیر کا تلخ تجربہ عفوِ عام سے روکتا تھا۔ بے محل رحم جو اپنی قوم کو خطرے میں ڈال دے گناہِ عظیم ہے چور پر ظلم کارواں پر رحم ہے۔

خالق نے عورت کا خمیر محبت سے اُٹھایا ہے۔ محبت ہی اس کی کل کائنات ہے۔ اِس لیے گرے پڑے کی امداد، بیمار کی تیمارداری، زخمیوں کی مرہم پٹی اس کا وظیفہ حیات ہے۔ فطرت شناس پیغمبرؐ نے بی بی رفیدہ کو زخمیوں کی دیکھ بھال کی اجازت دے رکھی تھی۔ مسجد نبوی میں اس خاتون کا خیمہ تھا۔ حضرت سعد کا علاج اسی خاتون کے سپرد تھا۔ لوگ کہتے ہیں زمانہ آگے بڑھ رہا ہے۔ مسلمان کی نظروں میں پیچھے ہٹ رہا ہے۔ کاش وہ اس طور سے پیچھے ہٹے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت کی رسم و رسوم ہم میں جاری ہو جائیں۔ ہماری عجمی غیرت نے عورت کو چھوئی موئی بنا رکھا ہے۔ اسے اسلامی روایات کے مطابق مناسب آزادی ملے اور وہ اپنے فرائض کو کماحقہ انجام دینے کے قابل ہو جائے۔ کون مقتدائے مذہب ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح رواداری دکھائے اور بہنوں بیٹیوں کو اتنی تعلیم دلائے کہ وہ امن کے وقت عورتوں اور بچوں کا علاج و تیمارداری کر سکیں۔ اور جنگ میں زخمیوں کو سنبھال سکیں۔

یادِ وطن

وطن سے دوری اور محبوب کی مہجوری نے کس کو ماہی بے آب نہ کیا
اولاد اور وطن کے لیئے خوبصورتی اور شادابی شرط نہیں۔ ماںنا حسن و جمال کی
پابند نہیں نہ حبِ وطن مناظر کی دلکشی کی رہینِ منت ہے۔ وطن پیارا ہے
خواہ وہاں بالو کا سمندر ہو۔ اولاد عزیز ہے خواہ دوسروں کی نظر میں کریہہ منظر ہو۔

ہجرت کے بعد اب مسلمانوں کو اطمینان کا سانس لینا نصیب ہوا
تو وطنِ عزیز کی یاد نے دل کو ہزار جلووں کی جنت گاہ بنا دیا۔ مدینہ میں بیٹھے
آنکھوں کے سامنے بہشت کی گلزار سے جمیل تر گلستان کا تصور آتا ہے۔
آہ پیارا وطن عزیز وطن اسی کے تصور میں پہروں بیٹھے ہیں۔ جہاں پو
پھٹتے ہی کارواں روانہ ہونے لگتا ہے۔ اونٹوں کی گردن کی گھنٹیاں ہلتی ہیں
صبح کے سکوت میں ان کی میٹھی آوازیں ایسی دلکش معلوم ہوتی ہیں گویا روشن
ورنگین ستاروں کی آبادی میں مقدس فرشتے معبد میں جمع ہو کر خدا کی حمد
شروع کرنے سے پہلے طلائی گھنٹیوں کو بجا بجا کر اپنی خفتہ عقیدتوں کو
بیدار کر رہے ہیں۔ نور کے تڑکے نسیمِ صبح خوشبوؤں سے مہکی ہوئی
آتی ہے۔ ساری فضا اس کی گدگدی سے مسکراتی ہے۔ یثرب کی رنگین
صبح زریں قبا اوڑھے کھڑی ہے۔ شبنم کے قطرے پھولوں کو الوداع کہہ رہے
ہیں۔ درخت شباب کی مستی میں جھوم رہے ہیں۔ مسلمان مدینے میں

بیٹھے ان حسین وجمیل نظاروں کو دیکھ کر خوش وقت ہیں مکہ کے خوش رنگ اور خوش گلو طائر سبز پتوں کی اوٹ میں بیٹھے صبح کی راگنی گا رہے ہیں۔ اور وہ بطحا میں بیٹھے ان فردوس گوش کیفیات سے محظوظ ہو رہے ہیں۔

اب گرم گرم سورج نکلا۔ اونٹوں کے چلنے سے۔ طلائی گرد اُٹھی دل لوٹ گیا۔ چاہا کہ اُڑ کر مکہ میں جا پہنچیں بے تابی سے اُٹھے آہ بھر کر بیٹھ گئے۔ یونہی انگڑائیاں لے کر صبح سے شام کر دی۔ کوئی بتائے مکہ کی شام جنت کی صبح سے کم خوشگوار ہے۔؟ جواب کسی مہاجر سے پوچھو۔ وہ چشمِ خیالی سے دونوں کو دیکھ کر کہے گا۔ ایک سے ایک خوشتر ایک سے ایک اعلےٰ۔ رنگین اور دلکش۔ لیکن شام کی سیاہی میں لپٹے ہوئے مکہ کے حسین نظارے اس کو اب زیادہ بے خود کر رہے ہیں اس کی نگاہ میں شفق کا رنگ رقص کرتا دکھائی دیتا ہے۔ گلستان کی رنگینی اور شادابی ہے۔ جس پر شام آہستہ آہستہ سیاہی کا پردہ ڈال رہی ہے۔ مہاجر کی جانِ عالم بے خودی میں لیلائے وطن کے حسن وجمال سے ہمکنار ہو رہی ہے۔ مدینہ میں لیٹے لیٹے مکہ کے آسمان کے تارے گنتے رات کٹ جاتی ہے۔

بلال رض جن پر ستم پیشہ آسمان نے مکہ کی زمین تنگ کر دی تھی اسی سرزمین کے خوشگوار نظارے اس کو بے تاب کر رہے ہیں۔ وہ مکہ میں بیٹھ کر مدینہ کے حاملِ صد کیف مناظر ملاحظہ کرتے ہیں۔ دیکھو یہ پردیسی

دیس کی یاد میں کس حسرت سے پکار اُٹھتا ہے

الا لیت شعری هل ابیتن لیلة	آہ کیا پھر کبھی وہ دن آسکتا ہے کہ میں
.بواد وحولی اذخر وجلیل	مکہ کی وادی میں ایک رات بسر کروں اور
وهل اردن یوما میاه مجنة	میرے پاس اذخر اور جلیل ہوں۔ اور
وهل یبدون لی شامة وطفیل	کیا وہ دن بھی ہوگا کہ میں مجنہ کے چشمہ
	پر اتروں اور شامہ وطفیل مجھکو دکھائی دیں

میں واقعات کو جذبات کی رو میں بہانا نہیں چاہتا۔ حقیقتِ حال یہی تھی۔ وطنِ عزیز جس کے تصورات نے مسلمانوں کے دماغ کے ہر گوشہ کو رشکِ صد گلزار بنا رکھا تھا۔ عقیدت کا قول ہے۔ کہ دل وجان کو مضطرب کرنے والی یہ تحریک من جانب اللہ تھی۔ تاکہ مسلمانوں پر فتح کے نئے باب وا کرنے کے سامان کیے جائیں۔

صلح حدیبیہ

وطنِ عزیز کی کشش کے علاوہ فریضہ حج ادا کرنے کے خیال سے سردارِ عرب وعجم نے ۶ برس کے بعد باگیں مکہ کی طرف پھیریں۔ اس نورانی قافلہ سالار کے ساتھ اہلِ ایمان کا قافلہ روانہ ہوا۔ عورت، مرد بچے اور بوڑھے ساتھ تھے۔ مبادا اہلِ مکہ کو حملہ کا خدشہ گذرے۔ بجز تلوار کے اور ہتھیار لے جانے کی اجازت نہ دی۔ صرف قربانی کے اونٹ ہمراہ لیئے اور احرام باندھ کر چل دیے۔ مہاجرین وطن کی محبت کے نشہ میں سرشار

تھے۔ پاؤں لڑکھڑانے کی بجائے ان کے دماغ چکرا رہے تھے۔ اتنے میں مخبر نے خبر دی کہ اہلِ قریش دوسرے قبائل کو برانگیختہ کر کے مقابلہ کو آنا چاہتے ہیں۔ بڑھنے میں خطرہ ہے۔ لوٹ جانے میں سلامتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ کاٹ کے جانا چاہا۔ لیکن دشمن کو علم ہو گیا۔ بیر کے مقام پر ڈیرے ڈال دیئے۔ آخر حضرت عثمانؓ کو ایلچی بنا کر بھیجا گیا۔ تاکہ اہلِ قریش کو صلح کی طرف مائل کریں۔ وہ اپنے ایک عزیز کی معیت میں مکہ گئے۔ قریش نے صلح کی بات سننے کی بجائے حضرت عثمانؓ کو نظر بند کر لیا۔ رائی کا پربت بنا۔ یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمان شہید کر دیے گئے۔ یہ سن کر مسلمانوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ صلح پسند پیغمبرؐ مضطرب ہو کر ببول کے درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور حالات کی مجبوری سے جاں نثاری کی بیعت لینا شروع کی۔ اسلام میں یہ بیعت بیعۃ الرضوان کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں عورتوں نے بھی فیصلہ کن جنگ کا عہد کیا۔ جنگ میں عورتوں کی شمولیت اسلام میں ممنوع نہیں۔ کیونکہ عصمت کی حفاظت تو صرف فتح کی صورت میں ہی ممکن ہے شکست خوردہ قوم کی عورت کی عصمت بے بہا کوڑی ہو جاتی ہے۔

بعد میں شہادت کی خبر غلط ثابت ہوئی۔ کیونکہ قریش نے سہل بن عمر کو شرائطِ صلح طے کرنے کے لئے بھیج دیا۔ سہل بڑا زباں آور اور ہوشمند شخص تھا۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح پسند طبیعت سے واقف تھا۔ اس لئے بات بات پر اڑ جاتا۔ اور اپنی سی منوا تا تھا۔ معاہدہ

قلمبند ہونے لگا۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پر اڑ گیا کہ یہ نہ لکھو۔ عرب کے قدیم دستور کے مطابق باسمک اللھم لکھو۔ آپ نے منظور فرمایا۔ پھر لکھا گیا کہ یہ معاہدہ محمد رسول اللہ کی طرف سے ہے۔ سہیل نے کہا کہ اگر ہم آپ کو پیغمبر تسلیم کرتے تو جھگڑا کیوں کرتے۔ صرف اپنا اور اپنے والد کا نام لکھو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی مان لیا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بنا بر عقیدت اپنے ہاتھ سے یہ لفظ کاٹنا گوارا نہ کیا۔ تاہم رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے خود رسول اللہ کے الفاظ کاٹ دیئے۔ تاکہ لفظی تکرار باہمی جنگ کا باعث نہ ہو۔

یہ ہوئے معاہدہ قرار پایا۔ کہ مسلمان واپس چلے جائیں۔ اور اگلے سال آئیں۔ تو مکہ میں صرف تین دن قیام کریں۔ تلواریں میان میں رہیں اور میان جلبان میں ہوں۔ جو مسلمان مکہ میں مقیم ہو وہ ساتھ نہ جائے۔ جو مسلمان مکہ میں رہنا چاہے اسے روکا نہ جائے۔ جو مسلمان یا کافر مدینہ میں جائے اُسے واپس کر دیا جائے۔ مگر جو مسلمان مکہ میں آئے اُسے واپس نہ کیا جائے گا۔ قبائل عرب پر پابندی نہیں۔ جو جس سے چاہے معاہدہ کر لے۔

ابھی معاہدہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچا تھا۔ کہ سہیل کا بیٹا ابو جندل مسلمان ہو چکا تھا مکہ سے پا بہ زنجیر بھاگا۔ مسلمانوں میں پناہ پانے کے لئے آیا۔ قریش کے ہاتھوں جسم زخمی جان نڈھال پیغمبر کے سامنے گر گیا۔ سہیل نے کہا۔ محمد صلح کی تعمیل کا پہلا موقع ہے۔ شرائطِ صلح کے مطابق اسے واپس کرو۔ حضور نے فرمایا معاہدہ ابھی نا مکمل ہے۔ سہیل نے کہا تو ہمیں صلح منظور نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اچھا اسے بھی لے جاؤ۔ ابو جندل نے اپنا زخمی بدن ننگا کر کے دکھایا۔ اور درد و غم سے بے تاب ہو کر پکارا۔ مسلمانو مجھے اس حال میں کافروں کے پاس لوٹا دینا چاہتے ہو۔ عجب نازک موقعہ تھا۔ مسلمانوں کا خون کھولنے لگا۔ غصّہ سے آگ بگولا ہو گئے۔ تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو ٹھنڈا کیا۔ کیونکہ وہ بہر حال ایفائے عہد کرنا چاہتے تھے۔ اسلامیوں میں شکست کی سی بیدلی پھیل گئی۔ آرزوؤں نے شوق وطن کی جو جنّت آنکھوں کے سامنے کھول رکھی تھی۔ وہ سرما دیدہ گلزار کی طرح بے بہار ہو گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جندل کو مخاطب کر کے کہا۔ ابو جندل صبر و تحمل سے کام لو۔ خدا تمہارے لیئے اور مظلوموں کے لیے اور راہ نکالے گا۔ صلح ہو چکی اب بد عہدی نہیں ہو سکتی کتنے پتھر سینے پر رکھ کر یہ بات کہی گئی ہو گی۔ ایفائے عہد کی ایسی پاسداری ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ دیکھو آرزوؤں کو سینوں میں دبا کر سرافگندہ مسلمان مدینہ کو لوٹ رہے ہیں۔ وہ جس کے لب پہ معجزہ ہے۔ راستہ میں خدا کے حکم سے خوشخبری دیتا ہے کہ یہ صلح فتح مبین ہے۔ اگرچہ دل بجھے ہوئے تھے اور حالات اس کے موافق نہ تھے۔ تاہم مسلمانوں نے طفلانہ اعتماد سے اس بشارت کو قبول کیا۔ اور مدینہ میں آکر اپنے کاروبار اور دین کی نشر و اشاعت میں لگ گئے۔

احزاب کی فتح اور حدیبیہ کی صلح نے اسلام پہ پُرامن تبلیغ کے دروازے کھول دیئے۔ اب مرکزِ انوار نے فیصلہ کیا کہ اس خُدائی پیغام یعنی اسلام کو چار دانگ

عالم میں پھیلایا جائے۔ بنابریں تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا۔ جس سے مذہب کی تاریخ میں انقلاب آگیا۔ اور انسانی ترقی کے انتہائی مدارج کی طرف صاف اشارہ کر دیا گیا۔ اس خطبہ کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ میں تمام دنیا کے لیئے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ جاؤ میری طرف سے پیغامِ حق ادا کرو۔ یہ وہ انوکھا دعوٰے تھا۔ جو آج تک کسی مذہب کے بانی نے نہ کیا۔ آج تک جتنے پیغمبر آئے وہ خاص ملک اور قوم کے لیے آئے۔ مگر یہ ہمہ گیر اور عالم گیر دعوٰے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ اس خطبہ کی تشریح ایک الگ باب کی محتاج ہے۔ ختم نبوت کے مستقل باب میں اس کی توضیح کر دی گئی ہے۔

دیکھو شمعِ نبوت سے روشنی لے کر چند آدمی دنیا کو منور کرنے نکلے۔ قیصرِ روم خسروِ ایران والیئے مصر شاہِ حبش۔ رؤسائے یمامہ۔ رئیسِ شام حارث غسانی کو آخری نبی کا پیغام دیا۔ کہ اسلام ہی سلامتی کا مذہب ہے۔ اس کی طرف آؤ اور دارین میں فلاح پاؤ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلچیوں سے مختلف مقامات پر مختلف سلوک ہوا۔ شاہِ حبش نے اسلام قبول کیا مصر کا حاکم مقوقس تلطف سے پیش آیا۔ قیصر نے خط توجہ سے سُنا۔ کج کلاہ ایران غرور سے پیش آیا۔ حاکم غسان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کو شہید کر دیا۔ تاہم اس امن کی تھوڑی مدت میں اسلام کا نخل پھولنے پھلنے لگا۔ کفار اہلِ اسلام کے اعلےٰ کیریکٹر سے متاثر ہونے لگے۔ حتےٰ کہ عبر مفتوح خالد بن ولید اور فاتحِ مصر عمرو بن العاص حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے۔ علاوہ

ازیں مکہ کے ستائے ہوئے مسلمانوں نے جو بروئے معاہدہ مدینہ میں نہ آ سکتے تھے بھاگ کر سمندر کے کنارے مقامِ عیص پر جمع ہونا شروع کیا۔ اب ان ستم رسیدہ لوگوں نے یہ قوت حاصل کر لی کہ قریش کے تجارتی قافلے خطرے میں پڑ گئے۔ آخر قریش نے حالات سے تنگ آ کر خود معاہدہ کی آخری شرط کو ساقط کر دینے کا اعلان کر دیا۔

ابوجندل کا پابہ زنجیر واپس لوٹنا کیسا دردانگیز تھا۔ بحالاتِ موجودہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلوک کس قدر حوصلہ شکن معلوم ہوتا تھا۔ اگر اسلام کی خوبی کا دل قائل نہ ہوتا تو شاید یہ سلوک اسے پیغمبرِ اسلام سے بدظن کر دیتا مگر ہدایت یافتہ ابوجندل۔ زنجیروں میں جکڑا اور قید میں پڑا بھی اللہ کی توحید بیان کرتا رہا۔ قیدی اپنے نگرانِ کار کو تبلیغ کرتا ہے کہ واہ واہ اسلام کیا دین ہے۔ بس ایک اللہ اور باقی خیر سلا۔ اس دین کی سادگی پہ کون لوٹ نہ جاتا جس نے ابوجندل کی بات پر کان دھرا اسلام کا قائل ہو گیا۔ اور کفار کے غصہ کا شکار ہو کر ابوجندل کی طرح زنجیروں میں جکڑا گیا۔ لوہے کی کڑیاں پہن کر اوروں کو ایمان کی نورانی کرنوں کا حلقہ پہنانے میں مصروف ہو جاتا تھا۔ تا آنکہ تین سو کے قریب کفارِ مکہ میں مسلمان ہو گئے۔ ابوجندل کی قید قریش کی مصیبت کا باعث ہو گئی۔ قتل کر نہیں سکتے۔ زندہ رکھ نہیں سکتے۔ ناچار فیصلہ کیا کہ ان نیک بختوں کو چھوڑ دو۔ کہو جہاں سینگ سمائیں چلے جاؤ۔ چنانچہ ابوجندل ان کے ساتھی اور تمام مفرور مدینہ میں جمع ہو گئے۔ اللہ کے پیغمبر کا کہا سال بھر میں پورا ہو گیا۔ صلح حدیبیہ یقینی فتح ثابت ہوئی۔

فتح خیبر

خیبر کے سردار سلام بن ابی الحقیق یہودی نے بنو قریظہ کے خاتمہ کے بعد پاؤں پھیلانے شروع کیے۔ خیبر یہودیوں کا مرکز اور مضبوط ہونے کے علاوہ زرخیزی اور شادابی میں بھی مشہور تھا۔ ابھی اسلام دشمنی کی تدبیر مکمل نہ کرنے پایا تھا کہ موت نے مہلت نہ دی۔ اس کے بعد اسیر مسندِ ریاست پر بیٹھا۔ تمام یہودیوں کو بلایا اور اسلام کے خطرہ سے سب کو ڈرایا۔ اب تک ہم سب نے سوءِ تدبیر سے نقصان اُٹھائے۔ فتح کی حقیقی تدبیر یہ ہے کہ دشمن کے گھر پر حملہ کیا جائے۔ جارحانہ اقدام ہی بہترین مدافعت ہے۔ چنانچہ شرکتِ جنگ کی غرض سے اسیر قبائل کو پابند کرنے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو عبداللہ بن رواحہ کو تحقیق کے لئے بھیجا۔ اُنھوں نے تمام تشویشناک افواہوں کی تصدیق کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر عبداللہ کو بھیجا کہ صلح کی کوئی صورت پیدا کریں۔ انہوں نے صلح کی ابتدائی شرائط طے کرلیں۔ لیکن اسیر کو بے خبری میں عبداللہ کے قتل کردینے کی سوجھی۔ مگر عبداللہ وقت پر چوکنّے ہوگئے۔ اس بدعہدی پر غصہ آیا۔ بڑھ کر حملہ کیا۔ اسیر اسی مقام پر مارا گیا۔ اب تو خیبر کے یہود اور اُن کے حلیف قبائل جوشِ غضب سے آگ بگولا ہوگئے۔ حضرت ابوذر کا بیٹا چراگاہ میں شہید کردیا گیا۔ ان کی بیوی کو گرفتار کرکے لے گئے۔ قبل اس

کے کہ یہود تمام قبائل میں طوفان اُٹھائیں۔ اور انہیں آندھی کی طرح مدینہ پر چڑھا لائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سولہ سو مسلمانوں کی جمعیت سے بڑھے کہ شاید نوبتِ جنگ نہ آئے اور دشمن مرعوب ہو جائے۔ اس طرح خونریزی کے بغیر امن نصیب ہو سکے۔ لیکن یہودی بہادر سپاہی اور مضبوط قلعوں کے مالک تھے۔ انہیں یقین تھا کہ گھر میں آیا ہؤا دشمن سلامت واپس نہ جانے پائے گا۔ یا اگر حالات بدتر بھی ہو گئے تو جب ستوؤں کی رسد کا ذخیرہ ختم ہو جائے گا تو جس طرح اللہ اکبر کہتے آئے ہیں اسی طرح تکبیریں کہتے لوٹ جائیں گے۔ چنانچہ صلح کی پیشکش کو انہوں نے ٹھکرا دیا۔ اور جنگ کی طرح ڈال دی۔ بہادر یہودی برابر بیس دن تک حملہ آوروں کے ریلوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ اسلام کے نامور سپاہی بڑھے اور ناکام واپس لوٹے۔ قلعہ قیموس جو عرب کے یہودی پہلوان اور جانباز سپاہی کا تخت گاہ تھا۔ ناقابلِ تسخیر ثابت ہؤا مسلمانوں پر مایوسی چھا رہی تھی۔ یک بیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے نکلا کہ صبح میں اس شخص کو علم دوں گا۔ جس کے ہاتھ سے خدا فتح دے گا مخبرِ صادق کے قول پر کس کو یقین نہ تھا۔ سب صحابہ اس امتیاز کو حاصل کرنے کے لئے شب بھر درگاہِ ربّ العزت میں دعائیں مانگتے رہے آرزو تمام رات امید کے دروازے بند کرتی اور کھولتی رہی۔ اضطراب اور بے قراری نے سب کو کباب سیخ بنا رکھا تھا کہ دیکھئے یہ سعادت کس کو نصیب ہوتی ہے۔ جب سحر کے سینے سے نور اُبل کر نکلا تو بارگاہِ نبوت

سے آواز آئی۔ کہ علیؓ کہاں ہے۔ حضرت علیؓ ان دنوں آشوب چشم کے باعث جنگ سے معذور تھے۔ اس فردوس گوش آواز کو سن کر اپنے نصیبے کی یاوری پر فخر کرتے اٹھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ کو علم دیا اور دعا فرمائی۔ حضرت علیؓ فتح کا عزم لے کر نہ اٹھے تھے بلکہ فتح کا یقین لیکر چلے تھے۔ اسی لیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یہود کو لڑ کر مسلمان بناؤں۔ صلح پسند پیغمبر نے فرمایا نہیں نرمی سے اسلام پیش کرو۔

دیکھو اسلام کا شیر جنگ کو نکلا فتح رکاب تھامے ساتھ چلی۔ بہادر مرحب قلعہ سے رجز پڑھتا نکلا۔ حضرت علیؓ بھی اس طرف بڑھے۔ آن واحد میں دو شیر لڑنے لگے۔ دنیا دم بخود ہو کر تماشا دیکھنے لگی۔ دونو پہلوان موت سے کھیلنے لگے۔ زندگی مایوس ہو کر الگ ہٹ گئی۔ کچھ دیر تلواروں کو ڈھالوں نے روکا۔ مگر مرحب کی موت کا وقت آ گیا تھا۔ خدا کے شیر نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو چیر کر دانتوں تک اتر آئی۔ بہادر مرحب لڑکھڑا کر گرا۔ سردار کے گرنے سے یہود سینے تان کر موت سے ہم آغوش ہونے کے لیئے نکلے حضرت علیؓ پر عام ہجوم ہو گیا۔ وہ کفر کی گھٹا سے بجلی کی طرح تڑپ کر نکلے۔ پھر سنبھل کر دشمن پہ جا پڑے۔ یہود کے تمام بہادر سردار ایک ایک کر کے مارے گئے۔ خیبر کے سب قلعے یکے بعد دیگرے مسخر ہو گئے۔ عرب میں یہودیوں کی قوت ہمیشہ کے لیئے ختم ہو گئی۔ غالب مغلوب ہو کر جانتا ہے۔ کہ بہادر شکست کے بعد کس طرح مجبور ہو جاتے ہیں۔ عرب کا یہودی جو عسکری اور علمی قابلیت کے لحاظ سے عرب کا حقیقی راہنما

تھا۔ ایک منظم جماعت کے سامنے ناک چاٹ رہا ہے۔ آج اسے غیر سے انتقام کا خوف اور رحم کی امید ہے۔ اگرچہ مغلوب دشمن کے لئے موسوی قانون سخت تھا۔ لیکن ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا گیا۔ اور اس شرط پہ صلح ہوئی۔ کہ یہودی پیداوار کا نصف حصہ مسلمانوں کو دیا کریں گے۔

جنگ موتہ سنہ ۸ھ

قوموں کے اخلاق میں سفیر کا قتل بدترین گناہ ہے۔ دربار غیر میں ایلچی سے زیادہ بے کس کون ہوتا ہے۔ کسی غریب الدیار پر ہتھیار اٹھانا کتنی بڑی شقاوت ہے۔ حضرت حارثؓ بن عمیر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تبلیغی خط شرجیل بن عمرو بصرے کے بادشاہ اور قیصر کے ماتحت کے پاس لے کر گئے۔ حارث شرجیل کے حکم سے قتل کر دیئے گئے۔ بے کسوں کے خون کا بدلہ خون ہے۔ یا معافی شرجیل نے تو قتل عمد کیا تھا۔ خود بادشاہ اور بڑے شہنشاہ کا نمائندہ معافی کس سے مانگے۔ قانون سی بے حال مسلمانوں سے۔ جس کے پاس غرور ہو شرافت نہ ہو۔ وہ اظہار افسوس کو کب پسند کرتا ہے۔ شرجیل نے نہ صرف قتل کیا بلکہ اُلٹی دھمکی دی۔ اگرچہ اسلام اور عیسائیت کی برابر کی ٹکر نہ تھی۔ مگر آزاد اور بہادر اکثر جان پر کھیل کر شرافت کا ثبوت دیتا ہے۔ بنا بریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کردہ زید بن حارثہ کے ماتحت تین ہزار فوج کو شام روانہ کیا۔ تاکہ حارث کا قصاص لے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور ہمارا آقا زید سپہ سالار بنایا گیا۔ مساوات کے اس مظاہرے سے شیطان کی گردن جھک گئی۔ جو اسلام لے آئے تھے۔ مگر ان میں ابھی اسلام نہ آیا تھا۔ انھوں نے سرگوشیاں شروع کیں۔ کہ جعفر طیار سے پیارا ابن عم اور عبداللہ بن رواحہ جیسے اولوالعزم صحابی اور دوسرے سردار غلام کے تابع فرمان کر دیئے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ چرچے سنے۔ لیکن خاموش رہے۔

مدینہ سے فوج کی کوچ کی تیاریاں ہیں۔ تخیل کی نظر سے دیکھو سب صحابہ الوداع کہنے کو موجود ہیں۔ بیبیاں گھروں کی چھتوں پر چڑھ کر اس نظارہ کو دیکھ رہی ہیں۔ فوج کی تیاری مکمل ہو چکی۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور فوج کا سردار گھوڑے پر چڑھ بیٹھا۔ اس نے فخر اور شکر سے گردن اونچی اور نگاہیں نیچی کر لیں۔ باگیں اٹھائیں۔ وجدان نے کہا۔ ملک شام پر چڑھائی کرنے والے اس بانکے سوار سے کچھ سوال کرو میں نے بڑھ کر باگیں روکیں اور کہا اے حرمین کے سردار اہل دنیا اسلام میں غلام کے درجہ کے متعلق سوال کرے تو کیا کہوں۔ اُس نے پیاری پیاری آنکھوں کو اُٹھایا۔ اور مسکرا کر جواب دیا کہ دنیا کو کہیو۔ کہ بانی اسلام نے غلام سے اپنی بہن بیاہ دی۔ دنیا کے غلاموں کو کہیو۔ کہ اسلام نے غلام کو سردار بنا کر شام بھیجا تھا۔ عیسائی خواتین انکار کریں تو پوچھنا کہ وہ کون تھا جس نے اسلام اور عیسائیت کے اول معرکہ میں مسلمانوں کی سرداری کی۔ وہ نام بھول جانے کی کوشش کریں تو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام

زید بن حارثہ کا نام لے لینا۔

دنیا کے ارباب اقتدار اور مذہبی پیشواؤں کی تاریخ کے اوراق اُلٹ پلٹ کر دیکھو اور بتاؤ۔ کہ عبداللہ کے بیٹے کے سوا وہ اور کون تھا جو سو کام بگڑنے پر بھی غلام سے ایک بار نہ بگڑا ہو۔ اور کون ہے جس نے غلام کو بہنوئی بنایا۔ پھر عزیز و اقارب اصحاب و احباب کی سرداری بخشی ہو۔ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ غلام اور کمزور انسانوں کی تاریک تاریخ کا روشن باب تھا۔ کمزوروں اور مظلوموں کا اس سے بڑا حامی نہ پہلے پیدا ہوا نہ پھر کبھی ہوگا۔ دنیا میں کوئی ایسا ہے کہ عمر بھر میں ملازم پر ایک دفعہ بھی خشمگیں نہ ہو۔ مالک بن انسؓ کی روایت شاہد عادل ہے۔ کہ میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھولے سے بھی تنبیہہ نہ کی۔ کہ یہ کام کیوں کیا یہ کیوں نہ کیا۔ ایسے آقا کے کون قربان نہ جائے۔

آج آقا کے حکم پر غلام کی قربانی کا حکم آپہنچا۔ جاسوسوں سے خبر پاکر حاکم غسان نے اپنی فوج اور صحرائی قبائل کو جمع کیا۔ اور ایک لاکھ کے لشکر گراں کو لے کر میدان میں اتر آیا۔ حضرت زیدؓ نے مشورہ کیا کہ ناموافق حالات سے دربار رسالت کو خبر دی جائے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا اس جنگ سے فتح مقصود نہیں۔ شہادت کا موقعہ کیوں ضائع کریں۔ اس لئے حضرت زیدؓ نے شوق شہادت میں باگیں اُٹھائیں۔ بہادر تکبیر کہتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔ کفر کی گھٹاؤں میں اسلام کی بجلیاں چمکنے لگیں۔ ہاتھی اور چیونٹی کا مقابلہ تھا۔ اور کوئی ہوتا تو جی ہار دیتا۔ یہ مسلمان کا دل جگر تھا۔ کہ

نتائج سے بے پرواہو کر موت سے جنگ کی ٹھانی تھی۔ نیزے سینوں میں ترازو ہونے لگے۔ تلوار دوست و دشمن کو موت کے گھاٹ اُتارنے لگی۔ ہمارا سردار زیدؓ چھاتی تان کر دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ دشمن کی برچھیاں سینے میں تیرنے لگیں۔ علم ہاتھ سے گرا چاہتا تھا کہ حضرت جعفرؓ نے نشانِ سرداری سنبھالا۔ دیکھو حضرت محمدؐ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پروردہ بسترِ خاک پر پڑا تاجِ شہادت پہننے کے لیئے ایڑیاں رگڑنے اور لوٹنے لگا۔ جنگ میں بہادروں کے ماتم کی مہلت نہیں ہوتی۔ دیکھو جواں ہمت جعفر دشمن کے نرغے میں گھِر گئے زخم پر زخم اُٹھا رہے ہیں پھر بھی بڑھے جاتے ہیں۔ ایک بازو کٹ کر زمین پر گر گیا ہے۔ دوسرے ہاتھ میں علم تھام لیا۔ لو دوسرا بازو بھی الگ ہو گیا۔ بہادر اپنے دانتوں میں علم لیئے کھڑا ہے۔ تلواریں پڑ رہی ہیں۔ جان زخموں سے نڈھال ہو گئی ہے۔ کوئی کب تک کھڑا رہے۔ آخر ابوطالب کا فرزند زمین پر گر گیا۔ سرداری کا نشان حضرت عبداللہ بن رواحہ نے سنبھالا۔ وہ مدتوں سے طلبِ شہادت میں بے تاب تھے۔ انہوں نے بھی جامِ شہادت پیا اور واصل بحق ہوئے۔ جب تینوں سردار مارے گئے تو مسلمان ایک دوسرے کا مونہہ دیکھنے لگے۔ سردار کون بنایا جائے۔ مشورہ کا موقعہ کہاں تھا۔ خالد جو ازل سے جہاد کا جذبہ اور سرداری کی قابلیتیں لے کر آئے تھے جھپٹے اور علم اُٹھا لیا۔ غازی پھر نئی ہمت سے ٹوٹ پڑے۔ شام نے تاریکی کا پردہ درمیان حائل کر دیا۔ فوجیں فیصلہ کن جنگ کے بغیر الگ ہو گئیں لمبی رات نئے انتظام میں گذری صبح سورج خون میں غسل کر کے نکلا۔ پھر

خونریزی شروع ہوگئی۔ خالد نے اس ترکیب سے دستوں کو اٹھایا۔ کہ لحظہ بہ لحظہ دشمن کو نئی کمک آتی دکھائی دی۔ دشمن کو تعجب تھا کہ یہ مٹھی بھر فوج کل سے اس وقت تک برابر لڑ رہی ہے۔ نئی کمک کے خیال نے اُن کی کمریں توڑ دیں۔ وہ حالات کو ناموافق پاکر خود بخود پسپا ہونے لگے۔ مجاہدوں نے موقعہ کو غنیمت جانا۔ غنیمت کا مال لیا اور واپس لوٹے۔ شمشیر زن خالدؓ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے۔ کہ آٹھ تلواریں اُن کے ہاتھ میں ٹوٹیں عبداللہ بن عمر نے حضرت جعفرؓ کے جسم کو دیکھا تو نوّے زخموں کے نشان پائے بہادر مرجاتے ہیں۔ قوم کو زندہ کر جاتے ہیں۔ ان زندۂ جاوید سرداروں کا جنازہ مدینہ میں لایا گیا۔ تمام آبادی تلملا کر باہر نکل آئی۔ مدینہ میں کہرام مچ گیا۔ جنازوں کو دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری ہوگئی۔ باپ کی قسمت سے بے خبر حضرت زید کی چھوٹی لڑکی راہ میں ملی۔ سرکارِ دوعالم فرطِ غم میں اس پر گر گئے۔ معصوم موت کی جدائی کو کیا جانے۔ کہ جو بچھڑتا ہے پھر نہیں ملتا۔ اُسے کیا معلوم کہ دنیا جہان کی برکتیں اُس پہ جھکی ہوئی ہیں۔

اسلام پہ غلامی کا الزام لگانے والو۔ دیکھو غلام کی موت پہ دوجہان کا آقا خون کے آنسو بہا رہا ہے۔ عرب کا فاتح اور دنیا کا مصلح بیٹوں سے پیارے زید کی موت پر معصوم بچوں کی طرح رو رہا ہے۔ کون دیانتدار کہہ سکتا ہے۔ کہ اسلام نے انسان کو غلام بنانا سکھایا ہے۔ آج کل کی سرمایہ داری تو مزدور کی موت پہ استہزار کرتی ہے۔ ڈھٹائی کی یہ حد ہے کہ اس

زمانہ میں اسلام پر غلامی کا الزام تراشا جاتا ہے۔

فتح مکّہ ۸ھ

آخر اس جنت نگاہ مکہ کی فتح کے دن آ گئے جس کی زمین مسلمانوں کو رات کی رنگینی میں رقص کرتی نظر آتی تھی۔ آسمان نیلی پوش محبوب کی طرح مہتاب کا نورانی جام لیئے ارض حرم سے دور لوگوں کو مئے وحدت کا جام پینے کے لیے اشارہ کر رہا تھا۔ جس کے تصور سے سب جھوم جھوم جاتے تھے۔ مکہ کا مہاجر امن کا شہزادہ اور سلامتی کا پیغامبر مسجد میں بیٹھا تھا شکستہ دلوں کی دردناک صدائیں اُنھیں کانوں کے راستہ برچھیاں بن کر لگتیں۔ اور سننے والوں کے دلوں میں پیوست ہو گئیں۔ کچھ آتش بجاں اور سوختہ سامان با حالِ پریشاں سامنے آئے اُنھوں نے قریش کے ظلم سے محمدؐ اور صدائے محمدؐ کی دہائی دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اضطراب سے اُن کو دیکھا۔ اور اطمینان سے اُن کی باتیں سنیں۔ وہ بنو خزاعہ کے دوستدار قبیلے کے آدمی تھے۔ جو قریش اور اُن کے حلیف بنو بکر قبیلے کی غارتگری کی داستان کہنے آئے تھے۔ قبیلہ خزاعہ کا رئیس عمر بن سالم استغاثہ لے کر آیا۔ کہ ہمارے حریف بنو بکر نے قریش کی شہ اور مدد پر جنگ کی آغاز کی۔ ہم حرم میں پناہ گزیں ہو گئے۔ عرب کی قدیم روایات کے خلاف ہمارے پناہ گزینوں کو وہاں بھی ذبح کر ڈالا گیا۔ ہم چالیس آدمی بمشکل بچ کر یہاں پہنچے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خونیں داستان سُن کر سخت صدمہ ہوا۔

تاہم امن پسند آقا نے قریش کو کہلا بھیجا کہ مقتولوں کا خونبہا ادا کر دیا جائے یا کم ازکم قریش بنو بکر کی حمایت سے دستکش ہو جائیں۔ اگر یہ نہ ہو۔ تو اعلان کر دو کہ مدینہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قریش فطرتاً بہادر تھے۔ بہادر خطرے کو خاطر میں نہیں لاتے۔ انہی حوصلہ مندیوں کے زعم میں قاصد سے کہہ دیا۔ کہ جاؤ جا کر کہو کہ معاہدہ صلح ٹوٹ چکا۔ ایلچی ناکام چلا آیا۔ دربارِ رسالت سے مسلمانوں کو طیاری کا حکم ملا۔ حلیف قبائل کو پیغام بھیجے گئے۔ اودھر قریش کی دلبری پہ دور اندیشی نے فتح پائی۔ خیال آیا کہ اسلام کا سرچشمہ باوجود ساری قوت کے ابتدا میں بند نہ ہو سکا۔ اب تو وہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا دریا ہے۔ اس کے بہاؤ کو کیسے روکا جائے گا۔ ابو سفیان یہ خطرہ محسوس کر کے تجدید معاہدہ کے لیئے مدینہ پہنچا۔ مگر وہاں اسے دشمن دین سمجھ کر کسی نے مُنہ نہ لگایا۔ ناسور کو کوئی کب تک بہتا رہنے دے اب فیصلہ کن جنگ درپیش تھی دونوں طرف سے تیاریاں ہونے لگیں۔ سورج جب صبح کی صداقت پر طلائی مُہر لگانے نکلا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار قدسیوں کو لے کر فاران کی مقدس پہاڑیوں پہ جلوہ گر ہونے کے لیئے نکلے۔ اس طرح انجیل کی صدیوں کی پیش گوئی پوری ہونے کا وقت آگیا۔ فوج کی نقل و حرکت کو پردۂ راز میں رکھنے کی کوشش کی گئی۔ اور قریش بے خبر بیٹھے تھے کہ مسلمان مکہ معظمہ سے ایک منزل پہ پہنچ گئے۔ فوج نے دور دور تک ڈیرے ڈال دیئے۔ جگہ جگہ آگ روشن کر دی گئی۔ تمام صحرا الگنار بن گیا۔ ابو سفیان ساتھ

لگا پھرتا تھا۔ وہ عرب کے یتیم کے جلال کو دیکھ کر مرعوب ہوگیا۔ چاہا کہ اس فوج گراں کی آمد سے اہل مکہ کو خبر کرے۔ کہ اتنے میں کسی نے اُسے پہچان لیا۔ حضرت عمرؓ نے تلوار سوت کر چاہا کہ سر کو تن سے جُدا کر دیں ابوسفیان کی قسمت سے حضرت عباس وہاں آنکلے۔ وہ بیچ بچاؤ کر کے سب کو دربار رسالت میں لے گئے۔ مسلسل اسلام دشمنی اور اس وقت کی جاسوسی کی سزا موت کے سوا کیا ہو سکتی تھی۔ ابوسفیان دنیا دار اور ہوشیار تھا۔ خطرہ دیکھ کر اسلام کا اعلان کر دیا۔ اب کس کو جرأت کہ انگلی اٹھائے۔ تلواریں میان میں چلی گئیں۔ ماتھوں کے شکن کھل گئے۔

فتح کی امید میں صبح کو سورج مسکراتا نکلا۔ فوج آراستہ ہو کر بڑھی۔ علم اسلامی ہوا میں لہرانے لگا۔ ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے سپاہی اللہ کا ذکر کرتے ہوئے چلے۔ آگے آگے فوج اور اُن کے سردار تھے عقب میں سب کے آقا نور برساتے چلے آتے تھے۔ سرکار دو عالم نے تدبیر کے سارے ترکش خالی کر دیئے۔ تاکہ تیر چلائے بغیر شہر فتح ہو جائے۔ لیکن یک بیک تلواریں تڑپ کر میانوں سے باہر آگئیں۔ اور معلوم ہوا کہ قریش کے ایک گروہ نے تیر برسا کر حضرت خالدؓ کے دستے کے دو نامور مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ خالدؓ کے حملہ سے تیرہ آدمی کھیت رہے۔ باقی تاب مقابلہ نہ لا کر بھاگ نکلے۔ اس معمولی سی مڈبھیڑ کے سوا کسی کی نکسیر نہ پھوٹی۔ اسلامی فوجیں فتح کے پھریرے اُڑاتیں شہر میں داخل ہوئیں۔ شہر میں داخل ہونے کے وقت سب کو ہدایت ہوئی۔ کہ ہتھیار رکھ دینے والے سے تعرض نہ

کیا جائے۔ جو بھاگ نکلے اُس کا تعاقب نہ کیا جائے۔ زخمی اور اسیر کو قتل نہ کیا جائے۔ جو شخص گھر میں بیٹھ رہے۔ یا کعبہ میں پناہ گزیں ہو۔ مارا نہ جائے جو ابوسفیان اور حکیم بن حرام کے گھر میں داخل ہو۔ وہ بھی مامون سمجھا جائے۔

اب اس شہر میں داخل ہونے کا وقت آ گیا۔ جس کے رنگین تصوّر سے دور بیٹھے لطف اندوز ہوتے تھے۔ مگر خوف سے اندر نہ جا سکتے تھے مختلف دستے مختلف راستوں سے مکہ میں داخل ہوئے۔ خوشی اور شادمانی کے وقت ہمیشہ اس کو پہلو میں جگہ دی جاتی ہے جس کی عزت بڑھانا مقصود ہو۔ مکہ کے فاتحانہ داخلہ کے وقت سرورِ دوعالم کے ساتھ اونٹ پر کون بیٹھا ہے۔ ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم میں سے کوئی نہیں وہ سب سر جھکائے ہمرکاب ہیں۔ لو دیکھو خدا کے برگزیدہ رسولؐ کے ساتھ اس وقت زید کا بیٹا اسامہؓ سوار ہے۔ اللہ کا رسول اس فتح عظیم پر اپنے معبود کے احسان میں سر جھکائے سورۂ فتح تلاوت فرما رہا ہے۔ حضرت اسامہؓ طفلانہ خوشی سے اچھل رہے ہیں۔ اور مسرّت سے ادھر ادھر دیکھ رہے ہیں۔ وجدان نے آواز دی کہ اسامہ ٹھیر تیری خاک پا کی ضرورت ہے۔ تاکہ تعصب کے اندھوں کے لیئے سرمہ بنائیں۔ جو اسلام پر غلامی کو قائم کرنے کا الزام لگاتے ہیں۔

فتحمندانہ داخلہ کے وقت فاتحین اپنے جلال و جبروت کا نظارہ دکھاتے ہیں۔ مفتوح شہر میں ان کے داخلہ کی ظالمانہ روایات اور سفاکی کی حکایات کی بنا پر لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آنکھیں نہ ملاتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مولا کے احسان کے بوجھ سے گردن جھکائے چلے جانے تھے۔ شہنشاہوں کے جلوس سے جاہ و جلال ٹپکتا ہے۔ مگر اس برگزیدہ ناقہ سوار سے انوار کی بارش ہو رہی تھی۔ اور رحمتوں کے فرش بچھتے جاتے تھے۔ ناگاہ آپ کی نظر ایک سہمی ہوئی اور سراسیمہ عورت پر پڑ جاتی ہے۔ وہ جو دنیا کے خوف دور کرنے بھیجا گیا تھا۔ اپنی ہیبت سے دوسروں کے سہم جانے کو کب برداشت کر سکتا تھا۔ دوجہان کا آقا اونٹ سے اُتر آیا۔ اور اس بڑھیا سے کہا۔ کہ مجھ سے خوف نہ کر میں تو اس عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی۔ وجدان نے حیرت سے دانتوں تلے اُنگلی دبائی اور سر ہلا کر کہا۔ کہ اقتدار پسند لوگ تو ہر وقت اپنی برتری تسلیم کراتے نہیں تھکتے۔ دنیا میں یہ خدا کا برگزیدہ بندہ پیدا ہوا ہے جو گردن فرازی کے وقت بھی خاکساری کو زیور اخلاق سمجھتا ہے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ فتح تلاوت فرماتے بیت اللہ میں داخل ہوئے۔ جہاں بُت خدائی کرتے تھے گوشہ گوشہ میں جا کر تکبیر پڑھی اللہ اکبر! انسان کی کیا کمزوری ہے مٹی کی مورتی اور پتھر کے ترشے ہوئے بتوں کو معبود اور شفیع سمجھے۔ ان جھوٹے خداوندوں سے ارض حرم پاک کر دی گئی۔ اُس ایک اللہ کا نام بلند ہوا جس کے سوا کوئی نفع اور ضرر کا مالک نہیں کعبہ سے بت اُٹھائے نہیں گئے بلکہ دلوں سے غیر اللہ کا وہم مٹایا گیا۔ اوندھے مُنہ پڑے بُت زبانِ حال سے اپنی بے بسی اور خدا کی برتری کا اعلان کرنے لگے۔ حرم کے باہر خلقت کا ہجوم ہو گیا۔ آپ ؐ نے سب کی طرف

مخاطب ہو کر فرمایا۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ صَدَقَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ اَلَا کُلُّ مَاثِرَۃٍ اَوْ دَمٍ اَوْ مَالٍ یُدَّعٰی فَھُوَ تَحْتَ قَدَمَیَّ ھَاتَیْنِ اِلَّا سِدَانَۃَ الْبَیْتِ وَسِقَایَۃَ الْحَاجِّ	ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے اس کا کوئی شریک نہیں ہے اس نے اپنا وعدہ سچا کیا اس نے اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا۔ ہاں تمام مفاخر خون اور خونبہائے قدیم سب میرے قدموں کے نیچے ہیں صرف حرم کعبہ کی تولیت اور حجاج کی آب سانی اس سے مستثنیٰ ہیں
یَا مَعْشَرَ قُرَیْشٍ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ اَذْھَبَ عَنْکُمْ نَخْوَۃَ الْجَاھِلِیَّۃِ وَتَعَظُّمَھَا بِالْاٰبَاءِ۔ اَلنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَاٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ	اے قوم قریش اب جاہلیت کا غرور اور نسب کا افتخار خدا نے مٹا دیا تمام لوگ آدم کی نسل سے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے۔

پھر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ	لوگو! میں نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے کہ آپس میں ایک دوسرے سے پہچان لیے جاؤ۔ لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو خدا دانا اور واقف کار ہے۔

مساواتِ انسانی اور مساواتِ جنسی کے متعلق کوئی اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہے؟ نسل اور خون کے فخر نے دنیا میں انسانی خون کی ایسی ارزانی کی ہے کہ اس کے تصور سے جان کانپ اٹھتی ہے۔ نسل اور خاندان کی قربان گاہ پر جس قدر بھینٹ دی گئی ہے اس کا اندازہ ہمالیہ سے بھی بڑے کشتوں کے پشتوں، اور گنگا جمنا سے بڑے خون کے ندی نالوں سے کیا جا سکتا ہے۔ نسبی فوقیت کی جنگ میں جو جیت جائے وہ آقا، اور ہارا نصیب کا مارا غلام کہلائے۔ غالب قوم سردار اور مغلوب کمین کہلاتی ہے جن کی ساری زندگی غالب قوم کی ٹھوکریں کھانے اور ذلتیں اٹھانے کے لیے وقف ہو جاتی ہے۔ کمین قوموں کی کیفیتِ قلب ان کی اپنی زبانِ بے زبانی سے کیا پوچھتے ہو۔ ہندوستان کے دیہات میں جاکر اب بھی اُن کی حالتِ زار ملاحظہ کرو اور جاکر دیکھو کہ اعلیٰ ذات کے لوگوں یعنی اربابِ اقتدار نے اپنے نشۂ حکومت میں اپنے ہموطنوں اور ہمجنسوں کو کن کن ذلتوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ جس میں شرافت ہے۔ کسی کو کمینہ اور رذیل نہیں سمجھتا۔ البتہ دنی صفت کے لوگ اپنے سوا سب کو کیڑا مکوڑا ہی سمجھتے ہیں۔

شرافت اور نجابت کے مدعی لوگو! اگر تقدیر تمہارے ساتھ مذاق کرتی کہ تم اتفاق سے کمیں گھر میں پیدا ہوتے تو کیا باوجود علم وعقل کے تم بھی ٹھوکریں نہ کھاتے۔

آں حضرت نے نسل اور نسب پر فخر کرنے والوں کو یہ کہہ کر تنبیہ کی:-

تمام انسان ابنِ آدم ہیں اور آدم کی پیدائش مٹی سے ہوئی ہے۔ مٹی اور خاک کے پتلے غرور کا پتلا نہ بن یہ غرور آخر خاک میں مل جائے گا۔ موت کے بعد خون خشک ہو جائے گا۔ جسم مٹی بن جائے گا۔ عمل کی بنا پر جو روح میں حُسن پیدا ہوتا ہے وہی غیر فانی ہے۔ باقی دنیا ہیچ اور کارِ دنیا ہیچ۔ دوست اور دشمن کو اس امر کا اقرار ہے۔ کہ اس گئی گذری حالت میں بھی اسلام ہی وہ برادری ہے۔ جہاں مساوات کی روح نمایاں نظر آتی ہے باقی مذاہب اور سوسائٹیوں میں اسلامی برادری کی شان نہیں ملتی

بنی نوع انسان کو نہ صرف نسل کی تقسیم اور غلام و آقا کے امتیاز نے مصیبت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ بلکہ عورت ہمیشہ تختہ مشق ظلم بنی رہی۔ اس شخص کو فخرِ کائنات کیوں نہ کہا جائے جس پر آیت اُتری۔ کہ عورت اور مرد نفس واحد ہے نسلی سیاسی۔ اقتصادی اور جنسی امتیاز اللہ کے نزدیک قبول نہیں۔ کالا گورا، آقا، غلام، سرمایہ دار، مزدور، مرد اور عورت ان میں سے کسی کو کسی پر فوقیت نہیں۔ وہی فائق ہے جس کا عمل اچھا ہے

خطبہ کے بعد آں حضرتؐ نے اردگرد دیکھا۔ سامنے وہ خون کے پیاسے سردارانِ قریش سرافگندہ شرمندہ کھڑے تھے جن کا مقصدِ حیات اسلام دشمنی تھا۔ رحمتِ عالمؐ نے جسے انتقام لینا پسند نہیں تھا مجمع سے پوچھا کہو میں آج تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں۔ لوگوں نے کہا تو شریف بھائی ہے اور شریف برادر زادہ ہے۔ کدورتوں سے پاک مولا ان عزیزوں کے عجز کو دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور کہا جاؤ تم پر کوئی الزام نہیں۔ کہو دنیا

نے کوئی ایسا فاتح دیکھا ہے جو اپنے جانی دشمنوں کی عاجزہ حالت پر خود رونے لگے۔ اللہ اللہ دنیا پر کس پاکیزہ اخلاق کے انسان کا ظہور ہؤا۔ مہاجرین نے بڑھ کر کہا حضور ہمارے املاک واپس دلائے جائیں۔ حکم ہوا فاتحین اپنے حقوق سے دست بردار ہو جائیں۔ عفو اور رعایت کی اس نرالی شان کو دیکھ کر لوگ پھڑک اُٹھے۔ ڈرے دبکے، بھاگے دوڑے آگئے۔ ایسی رواداری کو دیکھ کر کافر مومن ہو گئے۔

اناجیل میں مذکور ہے کہ خداوند دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاران کے پہاڑ پر طلوع ہوگا۔" چنانچہ ایسا ہی ہؤا حضورؐ فاران کے پہاڑ پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ چڑھے ایک پتھر پر بیٹھ کر بیعت لینے لگے آفتابِ رسالت کی فاران پر نور پاشیوں نے اناجیل کا کہا پورا کر دیا۔

رؤسائے عرب کو بیس سال قبل کا وہ واقعہ نہ بھولا ہوگا جب حاملِ بارِ نبوت نے کوہِ صفا پر چڑھ کر مکہ کے قریش کو پکار کر کہا تھا اے لوگو! پہاڑ کے عقب سے لشکر آ رہا ہے۔ اگر تم ایمان نہ لائے تو تم پر عذاب نازل ہوگا۔ لوگوں نے اس وقت دل لگی سمجھا تھا لیکن آج وہ پیشین گوئی پوری ہو گئی۔

غزوۂ حنین ۸ھ

اے خدا مجھے وہ طریقہ بتا جس سے میں مسلمانوں کے ذہن نشین کر سکوں کہ غفلت، کمی ہمّت اور سوءِ تدبیر سے قومیں فنا ہو جاتی ہیں۔ سبب پر نگاہ رکھنے۔ ہمت سے کام لینے اور موقع سے فائدہ اٹھانے سے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ اُحد کے واقعہ کے بعد اب ایک اور مرحلہ درپیش ہے جہاں دوستوں کی غفلت نے آں حضرتؐ کو دشمنوں کے نرغے میں ڈال دیا۔

فتح مکہ سے دشمن سہم گئے مگر ہوازن اور ثقیف کے جنگجو قبیلے آتش زیر پا ہو گئے۔ وہ بھی ہمیشہ سے خاک اور خون کے کھیل کو زندگی کا محبوب مشغلہ سمجھتے تھے۔ ان کے نوجوانوں نے سوچا کہ آؤ اپنی ہمت سے اسلام کو نیچا دکھاؤ اور عرب بھر میں نام پاؤ۔ بڑھوں نے جوانوں کی پیروی کی۔ گھر کے مال و اسباب کی طرح عورتوں اور بچوں کو بھی اونٹوں پر لاد دیا تاکہ میدان میں جا کر گھر کی کوئی کشش باقی نہ رہے۔ ہوازن اور ثقیف کی سرداری مالک بن عوف اور درید بن صمہ کے حصے آئی۔ آخرالذکر سو سال کا بوڑھا مگر جواں ہمت اور صاحبِ تدبیر تھا۔ لوگ اس کی چارپائی اٹھا کر میدانِ جنگ میں لے آئے۔ اس نے جنگی ضرورت کے لیئے اوطاس کے مقام کو پسند کیا۔ فوج کو کمیں گاہوں میں چھپا دیا۔ ادھر مسلمان

بھی سازو سامان سے نکلے۔ مکہ کی فتح کا نشہ باقی تھا۔ اسلامی فوج برات کی طرح خوش خوش بڑھی۔ ساتھ ناتجربہ کار نومسلم نوجوان اور کچھ دوستدار قبائل کے غیر مسلم لوگ بھی تھے۔ جونہی اسلامی فوج پھریرے اڑاتی تیروں کی زد میں آئی۔ ناگاہ ٹڈی دل دشمن کمین گاہوں سے نکل آیا۔ اور تاک تاک کر تیر برسانے لگا۔ تیروں کی بارش سے ہوش اُڑ گئے۔ نوجوان جو میدانِ جنگ کو تماشا گاہ سمجھ کر شامل ہوئے تھے نوک دم بھاگ گئے۔ ان کا بھاگنا تھا کہ شیروں کے پاؤں بھی اُکھڑ گئے۔ اسلامی فوج میں عام بھاگڑ مچ گئی۔ کسی کو اپنا پرایا نہ سوجھا۔ ایک مرسلِ برحقؐ کے سوا سب حواس باختہ تھے۔ غیر متزلزل پیغمبرؐ نے پکار کر کہا۔ میں نبیؐ ہوں جھوٹا نہیں ہوں۔ حضرت عباسؓ کو حکم ہوا کہ مہاجرا ور انصار کو زور سے پکارو۔ حضرت عباسؓ کی پکار کام کر گئی۔ جس نے آواز سنی فوراً اپلٹا۔ جس طرح بھاگے گئے، جان سے پیارے پیغمبرؐ کو تنہا پاکر اسی طرح دوڑے واپس لوٹے۔ آن کی آن میں گھمسان کا رن پڑا۔ اکھڑے ہوئے جم گئے۔ جمے ہوئے اکھڑ گئے۔ جنگ کا رنگ بدل گیا۔ صرف اسی قدر سوءِ تدبیر سے کہ ناتجربہ کار نوجوان ہمراہ تھے اور بس اتنے سے بے ضرورت بھروسہ نے کہ فاتحین مکہ کو اب کون فتح کر سکتا ہے اسلام کو چند لمحوں کے لئے بدترین مصیبت میں ڈال دیا۔ ایک لمحہ کی دیر اور چند قدم اور بھاگنے کی بات تھی کہ اسلام کا خاتمہ تھا۔

لیکن اب مسلمان جم کر کھڑے ہو گئے۔ دشمن بار بار اُن کی ہمت کی چٹان سے ٹکر لئے اور ہر بار پیچھے ہٹ گئے۔ آخر بنو مالک کا علمبردار عثمان

بن عبداللہ مارا گیا۔ دشمن کی رہی سہی امیدوں کا خاتمہ ہوگیا۔ دست بدست لڑائی میں ایک دفعہ پسپا ہوکر خدا کی خاص امداد کے بغیر کوئی میدان میں نہیں لڑ سکتا۔ دشمن اکھڑ کر نہ ٹھہرا۔ اونٹ اسباب، عورت اور بچے مسلمانوں کے رحم پر چھوڑ خود جان چھپاتا بھاگ نکلا۔

عرب کا خدلئے سخن درید بن الصمہ بڑا لشکر لے کر اوطاس کے مقام پر آیا۔ حضرت ابو عامر اشعری مختصر سی جمعیت لے کر بڑھے۔ مگر درید کے بیٹے کے ہاتھوں شہادت پائی۔ ربیعہ بن رفیع نے بڑھ کر درید پر وار کیا مگر وار اوچھا پڑا۔ بوڑھے بہادر نے ہنس کر کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تیری ماں نے تجھے عمدہ ہتھیار دے کر نہیں بھیجا۔ ادھر آ میرے محمل سے اچھی سی تلوار نکال۔ مجھے قتل کر کے خوشی خوشی گھر جانا اور گھر کہنا کہ میں درید کو قتل کر آیا ہوں۔

باوجود اس بے مثل شجاعت کے دشمن مسلمانوں کے پرجوش حملوں کی تاب نہ لا سکا۔ غنیمت میں ہزار اونٹ۔ چالیس ہزار بھیڑ بکریاں، چھ ہزار اسیر ہاتھ آئے۔ باقی فوج بے سروسامانی کے عالم میں بھاگ کر افتان و خیزاں طائف پہنچی۔ طائف مضبوط چار دیواری سے گھرا ہوا تھا۔ مسلمانوں نے بڑھ کر اس کا محاصرہ کر لیا۔ ہر چند قلعہ شکن آلات استعمال کیئے گئے مگر شہر فتح نہ ہوسکا۔ اطمینان حاصل تھا کہ اگر محاصرہ اٹھا بھی لیا گیا تو بھی طائف کے لوگوں میں مقابلہ کرنے کی سکت نہیں۔ اس لیے آں حضرتؐ نے محاصرہ اٹھا لینے کا حکم دیا۔

باپ دادا کی پیدا کردہ جائداد پہ وارثوں میں جھگڑے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مالِ غنیمت پر چہ می گوئیاں قدرتی بات ہے حضورؐ نے مکہ کے نومسلموں کی تالیفِ قلوب کے لیئے مالِ غنیمت میں سے زیادہ حصہ ان کو دیا۔ کچھ انصاری نوجوانوں نے سرگوشیاں کیں کہ لو بھئی مشکلات میں ہم پڑیں اور مالِ غنیمت غیروں میں بٹے۔ آں حضرت نے یہ چرچے سنے تو انصار کو طلب فرمایا سب نے نوجوانوں کی ان سرگوشیوں کی تصدیق کی۔

دنیا دار برسرِ اقتدار آ کر کسی کی سچی بات کب سنتا ہے۔ اپنی طبیعت کے مخالف باتوں سے برہم ہو کر اس کا مزاج مشکل سے بحال ہوتا ہے۔

کشورِ دل کے حکمران پیغمبرؐ نے انصار کو تنبیہہ نہیں کی بلکہ اپنی تقریر سے ان کے دلوں پر وہ افسوں پھونکا کہ سب تڑپ اُٹھے۔ بعض نوجوان انصار یا تو مالِ غنیمت کا دعوےٰ لے کر آئے یا سب سر صدقہ کرنے اور گھر بار لٹانے کے لیئے بے تاب ہو گئے۔ رسول کریمؐ نے فرمایا۔ عزیزو جب میرے لوگوں نے مجھے جھٹلایا تم نے تصدیق کی۔ جب انہوں نے مجھے چھوڑ دیا تم نے مجھے پناہ دی میں مفلس آیا تم نے مدد کی۔ لیکن اتنا بتاؤ کہ کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں گھر لے جائیں اور تم محمد کو لے کر اپنے گھر جاؤ۔

جوشِ محبت انصار کے سینے میں نہ سما سکا۔ اک جھرجھری سی آ گئی۔ فرطِ محبت سے سب پر رقت طاری ہو گئی۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے وہ ڈاڑھیں مار کر رونے لگے۔ سب بیک آواز پکارے کہ ہمیں صرف محمد صلعم درکار ہیں اور کچھ درکار نہیں کوئی جماعت کوئی قوم انصار کے ایثار کا لگا نہیں کھا سکتی۔ اسلام کے

یہ بے باک سپاہی جنکی تلواروں سے ہمیشہ کفر کی گردن سے خون گرتا رہا، شرک کے طوفان کم ہوتے رہے۔ وہ ہمیشہ دنیا کو دین پر قربان کرتے رہے۔

آں حضرت کی تقصیر بخشی کی شہرت عام تھی۔ رسول کریمؐ کی کرم فرمائی کی امید پر ہوازن کے سردار اپنے قیدیوں کی رہائی کی درخواست لے کر حاضر ہوئے آپ نے فرمایا۔ عزیزو اس جنگ میں میرے ساتھ رنگا رنگ کے لوگ ہیں یہ معاملہ مجھ تک محدود ہوتا تو آج ہی تمہیں خوش کر کے گھر بھیج دیتا۔ میں اپنے اور اپنے خاندان کے حصے کے قیدی تو آج ہی چھوڑ دیتا۔ شائد مہاجر اور انصار بھی میری پیروی کرتے۔ بہتر کہ یہ درخواست لے کر نمازِ صبح کے وقت آؤ۔ صبح جب ہوازن کے لوگ مسجد میں آئے تو آپ نے اعلان فرمایا کہ میں نے اپنے اور اپنے خاندان کے حصّے کے قیدی بلامعاوضہ چھوڑ دیئے۔ اس پر تمام مہاجر اور انصار نے کہا حضورؐ ہم نے آپ کی پیروی کی۔ جدید الاسلام مسلمان اس کو غلط بخشی سمجھ کر مذبذب تھے۔ اس لیئے آں حضرتؐ نے ہر قیدی کے عوض اپنی طرف سے چھ چھ اونٹ دے کر سب کو آزاد کرا دیا اور سب قیدیوں کو اپنی طرف سے کپڑے بھی عطا کیئے۔ اس سلوک سے ہوازن، ثقیف کے قبیلے دنگ رہ گئے آں حضرتؐ کی سیرتِ کریمانہ کا یہ اثر پڑا کہ اسی وقت اکثر سردار ایمان لے آئے مالک بن عوف تو اس برتاؤ سے جھوم گیا۔

غزوۂ تبوک ۹ھ

اب اسلام نے پورے عرب پر غلبہ پایا۔ امن اور سلامتی کا ہر طرف دور دورہ ہوا۔ سپاہیوں نے پہلو سے تلواریں ذرا الگ کر دیں۔ سردار کو اب تربیتِ اخلاق پر زیادہ توجہ دینے کا موقع ملا۔ دربارِ رسالت اب رشد و ہدایت کا سرچشمہ بن گیا۔ خدا کی رحمتیں بارش کی طرح برسنے لگیں۔ یک بہ یک شہر میں شام سے آمدہ قافلہ نے مشہور کیا کہ رومی بڑے لاؤ لشکر سے مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتے ہیں۔ حال ہی ایران روم کے مقابلہ میں خاک چاٹ چکا تھا۔ اندریں حالات اہلِ عرب کا مرعوب ہو جانا تعجب کی بات نہ تھی لیکن سالارِ عرب نے دبدبۂ قیصری کو خاطر میں نہ لا کر مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا مرسلِ برحق باطل قوتوں سے خائف ہو جائے یہ ممکن نہ تھا لیکن بہت منافق جی چرانے لگے کہا کہ عرب کی سرحدات کے پار جنگ کو جائیں تو گھر بار کو کس پہ چھوڑیں۔ کسی نے کہا کہ مہ جبینانِ روم کے حُسن کیف افزا سے لذت اندوز ہونے سے کوئی کیسے بچ سکتا ہے۔ اِس لیے اس گناہ کی دنیا میں کوئی جائے کیوں۔ گرمی کا موسم فصل کا موقعہ۔ بڑی بات یہ کہ خشک سالی۔ لیکن ان موانع کے باوجود مخلص مسلمانوں نے حکمِ حضور سے سرتابی نہ کی اور رسولِ مقبول کے اشارۂ ابرو پر قربان ہونے کو تیار ہو گئے۔ قبائلی جنگ میں کس کس ساز و سامان کی

ضرورت نہیں ہوتی ۔ لیکن اول درجہ کی اسلحہ پوش قوم سے بے سروسامانی
کی حالت میں مقابلہ کرنا ممکن نہ تھا۔ اس لیئے حضور نے درستی لشکر کے لیئے
عام چندہ کی اپیل کی۔ جاں طلبی کے ساتھ زرطلبی بھی طالبان دین کو گراں نہ
گذری ۔ ہر ایک نے اپنی مقدرت سے بڑھ کر امداد کی ۔ امیر اور غریب اپنا اپنا
مال و اسباب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں لاکر ڈھیر کرنے
لگے ۔ حضرت ابوعقیل کی جیب پائی کی متحمل نہ تھی ۔ اس لیئے رات بھر سقائی
کرتے رہے ۔ معاوضہ میں چار سیر چھوارے ملے ۔ ان میں سے دو سیر بچوں
کے لیئے چھوڑے اور دو سیر خدمتِ نبوی میں لائے ۔ حضرت عثمانؓ تو غنی
تھے دل کھول کر امداد کی ۔ حضرت عمرؓ نے نصف مال مدینہ کے آقا کے حضور میں
پیش کیا ۔ نیکی میں مسابقت کا خیال بھی نیکی ہے اس لیئے گمان کیا کہ آج اس
کارِ خیر میں سب پر فوقیت لے جاؤں گا ۔ حضرت عمرؓ اس خوشگوار تصور
میں کھوئے ہوئے تھے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنا حصہ لے کر آ پہنچے ۔ صادق
نے صدیق سے فرمایا کہ کہو ابوبکرؓ اہل وعیال کے لیئے کیا چھوڑ آئے حضرت
صدیقؓ نے کہا کہ حضور میں اللہ اور اس کے رسول کو گھر میں چھوڑ آیا ہوں ۔

جب صدقات کا انبار لگ گیا تو آنحضرتؐ کو ابوعقیل کی شان
فیاضی کا خیال آیا ۔ حکم دیا کہ سب سے غریب صحابی کے چھوارے سب صدقات
پر پھیلا دیئے جائیں ۔ خدا دل کے جذبات کا قدر دان ہے ۔ مال کی قلت و
کثرت درخورِ اعتنا نہیں ۔ اس حکم سے یہ اظہار مقصود تھا کہ حضرت ابو
عقیل قربانی میں سب سے بڑھ گئے ۔

معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا جوش دیکھ کر دشمن کے ولولے سرد ہو گئے۔ فوج اسلامی شام سے گذر کر تبوک کے مقام تک پہنچ گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھر اُدھر مہم بھیج کر پتہ لیا مگر کسی کو سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ اردگرد کے غیر مسلم قبائل جزیہ دے کر امن کے طالب ہوئے۔

مدینہ سے لشکرِ اسلام کے کوچ کے بعد ایک قابلِ ذکر اور فکریہ واقعہ پیش آیا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو مدینہ کا گورنر بنا کر انتظامِ سیاست ان کے سپرد کر گئے۔ منافقوں نے بے پر کی اُڑانی شروع کی کہ علیؓ سے آقا ناراض ہو گیا ورنہ ہمرکابی کے شرف سے علیؓ محروم کیوں رہتے۔ منافقوں کی کانا پھوسی سے گھبرا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ سرکارِ مدینہؐ نے تسلّی دی اور فرمایا کہ اس پر خوش ہو کہ تیری مجھ سے نسبت ایسی ہے جیسی ہارون کی موسےٰ سے۔ فرق صرف یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ ہارونؑ نبی تھے حضرت علی کی اس ارشاد سے تسلی ہو گئی اور وہ مطمئن واپس لوٹے۔

حجۃ الوداع

اللہ کا رحم ملاحظہ کرو۔ وہ جو ماں کے پیٹ سے یتیم پیدا ہوا۔ اور بے کسی میں وطن سے نکال دیا گیا۔ آج ملکِ عرب کا والی اور اہلِ عرب کی عقیدتوں کا مرجع ہے۔ اسلام کفر کی ظلمتوں سے نکل کر آفتابِ عالمتاب کی طرح چمکنے لگا۔ حاتم طائی کے بیٹے عدی نے کہا چلو چل کر اہلِ عرب کے آقا کے ٹھاٹھ دیکھیں۔ دیکھا تو گھر میں کھاٹ تک نہ تھی۔ چوکی پہرے کا نام و نشان نہ تھا۔ ایک بوڑھی عورت راہ میں روک کر کھڑی ہو جاتی ہے تو مسلمانوں کے ہادی اس کی غیر دلچسپ داستان دیر تک کھڑے سنتے ہیں۔ جب تک وہ دامن نہیں چھوڑتی یہ نہیں ہلتے۔ سرکارِ دو عالم عدی کو گھر لے جاتے ہیں اور چمڑے کے گدے پر بٹھا کر خود زمین پر بیٹھ جاتے ہیں۔ یہ دیکھ کر عدی کا کبر سر پیٹ کر اس کے سینے سے نکل جاتا ہے اللہ کے رسولؐ نے کہا" عدی لا الہ الا اللہ کہتے میں تجھے کیا تامل ہے۔ عدی جذبِ دل سے پکارا۔ سرکار مجھے کیا عذر رہے!

چلو چل کر بے کسوں کو صاحبِ اختیار کرنے والے اور سرکشوں کو نیچا دکھانے والے کے گھر چل کر سجدۂ شکر کریں۔ محمد رسول اللہؐ نے حکم دیا چلو مسلمانو! جمع ہو کر اس خدا کی حمد و ثنا بیان کریں جس نے ہمیں ملتِ واحد بنا دیا۔

اس نوید جانفزا کو سُن کر ایک لاکھ چوالیس ہزار مسلمان اپنے مولا کی ہمراہی میں حج کو روانہ ہوئے۔ یسعیا نبی کی کتاب میں اللہ نے بیت اللہ کو مخاطب کر کے کہا ہے "اُٹھ روشن ہو کہ تیری روشنی آئی اور خداوند کے جلال نے تجھ پر طلوع کیا" (بقول یوحنا باب ۶۰) بے شک صاحب جلال و جمال نے بیت اللہ پر طلوع ہو کر اک نیا گیت گایا۔ جس کو سوائے ایک لاکھ چوالیس ہزار کے اور نہ سمجھ سکا۔ انصاف اور عدل گواہ ہے۔ وہ گیت جو اُس دن گایا گیا وہ پہلے نبیوں نے نہ گایا تھا۔ اس کے نغمہ پر کیف نے دنیا کو آج تک مدہوش کر رکھا ہے۔ اس کی موسیقی میں خُدا جانے کیا جادو تھا کہ روحِ انسانی تاقیامت وجد میں رہے گی۔ چودہ سو سال ہو چکے ہیں اسی گیت کے ترنم سے مشرق و مغرب کی فضائیں گونج رہی ہیں۔

سنو اس حجۃ الوداع کے موقع پر رسولِ کریم نے ناقہ پر سوار ہو کر ایک لاکھ چوالیس ہزار نفوس کو مخاطب کر کے وہ خطبہ دیا جس سے کم نگاہوں میں وسعتِ نظر پیدا ہو گئی اور زندگی کا حقیقی حُسن بے حجاب دکھائی دینے لگا۔ رحم حلم اور مساوات کا دنیا میں دور دورہ ہو گیا۔ لوگ فریبِ حیات سے درگذرے اور حقیقی زندگی بسر کرنے کی آرزو کرنے لگے۔ ہاں وہ نغمہ تقدیس جس سے فطرتِ پاکیزہ جاگ اُٹھتی ہے یہ ہے۔

خطبہ

اے لوگو! میری بات غور سے سنو۔ خدا جانے آئندہ سال مجھے تم سے

ملنے کا موقع ملے یا نہ ملے آج کے دن اور اس مہینہ کی تم حرمت کرتے ہو۔
اسی طرح ایک دوسرے کا ناحق خون کرنا اور مال لینا تم پر حرام ہے۔ خوب
یاد رکھو کہ تمہیں خدا کے حضور حاضر ہونا پڑے گا اور وہ تمہارے سب کاموں کا
پورا جائزہ لے گا۔ اے لوگو جس طرح عورتوں پر تمہارے حقوق ہیں اسی طرح
تم پر تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں۔ ان کے ساتھ ملاطفت سے پیش آنا
یاد رکھو خدا کی ذمہ داری پر عورتیں تم کو حلال ہوئی ہیں اور اسی کے حکم سے تم
نے ان پر تصرف کیا ہے۔ پس ان کے حقوق کی رعایت میں خدا سے
ڈرتے رہنا اور ہاں غلاموں کے معاملہ میں دیکھو جیسا تم کھانا ویسا ان کو کھلانا۔
جیسے تم کپڑے پہننا ویسے انہیں پہنانا اگر ان سے کوئی خطا ہو جو تم ان
کو معاف نہ کر سکتے ہو۔ تو ان کو جدا کر دو کیونکہ وہ بھی تو خدا کے بندے ہیں۔
ان کے ساتھ سخت برتاؤ کرنا کیا معنی۔ لوگو، میری بات غور سے سنو اور خوب
سمجھو آگاہ ہو جاؤ کہ جتنے کلمہ گو ہیں سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں سب
مسلمان اخوت کے سلسلے میں داخل ہو گئے۔ تمہارے بھائی کی چیز اس وقت
تک تم کو جائز نہیں۔ جب تک وہ خوشی سے نہ دے۔ خبردار نا انصافی کے
پاس نہ پھٹکنا۔ میں نے تم میں ایک ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم اس کو مضبوط
پکڑو گے اور اسی پر عمل کرو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے وہ چیز خدا کی کتاب ہے
اے لوگو، عمل میں اخلاص، مسلمان بھائیوں کی خیر خواہی اور جماعت میں اتفاق
یہ تین باتیں سینہ کو پاک و صاف رکھتی ہیں۔ حاضرین تم کو لازم ہے کہ میرا
کلام لوگوں کو جو یہاں موجود نہیں ہیں سنا دینا کیا عجب وہ شخص جسے پیغام

پہنچایا جائے۔ سننے والے سے زیادہ یاد رکھے"[1] ۔ خطبہ کے اختتام پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اے لوگو، قیامت کے دن تم سے سوال کیا جائیگا کہ میں نے تم سے کیا معاملہ کیا اور تم نے کیونکہ زندگی بسر کی تم اس کا کیا جواب دو گے" چاروں طرف فوراً ہزاروں آوازیں بلند ہوئیں کہ یارسول اللہ ہم گواہ ہیں۔ آپ نے خدا کے سب احکام ہم کو پہنچا دیے۔ کوئی نصیحت اٹھا نہیں رکھی اور رسالت کا پورا حق ادا کر دیا۔ یہ سن کر آپ نے انگشت شہادت آسمان کی طرف اٹھا کر جوش میں تین مرتبہ فرمایا اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ (اے اللہ تو گواہ تو گواہ رہ میں نے حق خدمت ادا کر دیا) حق تعالےٰ نے اپنے رسول اور اس کی امت کی تصدیق کی اور اپنی رضامندی کے اظہار میں یہ آیت فرمائی اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (ترجمہ:۔ یعنی میں نے آج کے دن تمہارے دین کو کامل کر دیا تم پر اپنی نعمتیں پوری کر دیں اور تمہارے واسطے دین اسلام کو پسند کیا (سورۃ مائدہ پارہ ۶)[2]

---

[1] ابن ہشام ص۹۶۸ و ۹۶۹ بروایت مسلم جابر۔

[2] بخاری بروایت طارق ابن شہاب کتاب تفسیر القرآن۔

سچے گھر کو واپسی

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ آیت اتری تو معلم دین نے سمجھ لیا کہ رحلت کا وقت آگیا۔ اب عہدِ زریں کا آغاز ہو چکا تھا۔ کفر و شرک کی ظلمت اسلام کے نور سے کافور ہو گئی تھی۔ اپنے مشن میں کامیابی کتنی خوشی کا باعث ہوتی ہے سرکارِ دو عالم نے اطمینان کی نظر سے اپنی کاوشوں کے نتیجہ کو دیکھا۔ وہ احباب یاد آ گئے جن کی موت نے اسلام کو زندگی بخشی تھی۔ کاش وہ زندہ ہوتے اور آج کی خوشیوں میں شریک ہوتے اور یہ دیکھ کر خوش ہوتے کہ اسلام کی ضیا باری سے تمام عرب روشن ہے۔ اور اللہ اکبر کی صدائے باز گشت سے یثرب و بطحا کی پہاڑیاں گونجتی ہیں۔ سرورِ کائنات کو یادِ رفتگاں نے بے تاب کر دیا۔ وہ بار بار دامنِ خاک میں مُنہ چھپائے ہوئے دوستوں کے پاس جا کر دعا کر کے اپنی محبت کی بے تابی کو کم کرتے تھے۔ ان کی مفارقت کے داغ کو تازہ کرتے اور اُن کے لیئے مغفرت چاہتے۔

آفتاب غروب ہونے سے پہلے کیسا خوبصورت اور جاذبِ توجہ ہوتا ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری ایام میں پہلے سے زیادہ ہر دل عزیز حکمران بن گئے۔ اصحاب میں سے جو دیکھتا اُسے آپ کا چہرہ شگفتہ بہار نظر آتا۔ موت سے کس کو مفر ہے۔ آخر حضور مرض الموت میں مبتلا

ہو گئے۔ عیادت کے لیئے لوگ آتے جاتے رہے اور نصیحتوں کے انمول موتی لے جاتے رہے۔ نبیوں اور نیکوں کو شرک سے کتنا خوف ہوتا ہے بستر مرگ پر استیصال شرک کے درپے رہے۔ شرک انسان کی سب سے بڑی کمزوری ہے اور ہر قسم کی کمزوری کو دور کرنا نبوت کا مقصد ہوتا ہے۔ چنانچہ موت سے پانچ روز پہلے فرمایا۔ خدا یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے جنہوں نے انبیاء کی قبور کو سجدہ گاہ بنایا (فرمایا) اس قوم پر خدا کا سخت غضب ہے جنہوں نے مزاراتِ انبیا کو مساجد بنایا۔ دیکھو میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔ جن کو میں تبلیغ کر چکا خدایا تو اس کا گواہ رہ۔ خدایا تو اس کا گواہ رہ۔

یہ چھوٹے فقرے کتنے گہرے اور کیسی بڑی بے تابی کی شہادت ہیں افسوس ہے امت کے ان لوگوں پر جو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے تابانہ نصیحتوں پر عمل نہ کریں اور اینٹ پتھر کی عمارتوں کے سامنے شرفِ انسانی کو ڈھیر کر دیں۔

بیماری کے حملہ سے نڈھال نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) دو آدمیوں کے کندھوں کے سہارے مسجد میں تشریف لائے۔ فرمایا کسی کا مجھ پر کوئی حق ہو تو کہے کسی نے عرض کیا حضور ایک سائل کو آپ نے تین درہم دلوائے تھے وہ واجب الادا ہیں۔ یہ قرض فی الفور ادا کر دیا گیا۔ زندگی کے آخری ایام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل نادہند مسلمانوں کے لیے سامانِ عبرت ہے۔ اوّل قرض لینا اور پھر لے کر نہ دینا اندھیر۔ اسلام ایسی بے انصافیوں

کا متحمل نہیں ۔ راہِ نجات اسوۂ رسول میں ہے ۔ اوّل قرض نہ لو۔ لیا ہے تو موت سے پہلے ادا کرو۔

موت سے قبل عشا کی نماز کے لیے تین دفعہ تیاری کی ہر بار طاقت نے جواب دیدیا۔ آپ وضو کرتے بیہوش ہو گئے۔ نماز با جماعت میں شرکت کے لیے کتنی کشش ہے۔ بڑی حسرت سے فرمایا اچھا ابو بکر صدیق رضؓ نماز پڑھائے تعمیلِ حکم میں حضرت ابو بکر مصلے پر کھڑے تو ہو گئے مگر دنیا آنکھوں تلے اندھیر ہو گئی۔ طبیعت پر رقت طاری ہو گئی۔ ان کی اور اصحاب کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ اصحاب کے رونے کی آواز سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے تاب کر دیا اور آہستہ آہستہ مسجد میں تشریف لائے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بائیں جانب بیٹھکر نماز پڑھائی بعد نماز فرمایا۔

مسلمانو! میں تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ خدا کی پناہ اور نگہداشت اور نصرت کے حوالہ کرتا ہوں۔ خدا تم پر میرا خلیفہ ہے۔ تمہارے تقوٰی اور اطاعت سے وہ تمہاری نگرانی فرمائے گا۔ بس میں اب دنیا سے علیحدہ ہونے والا اور چھوڑنے والا ہوں۔"

اب اخیر کا دن آپہنچا۔ کمزوری نے مسجد جانے کی سکت نہ چھوڑی تھی۔ اس لیے صبح آپ کے حجرہ کا پردہ اُٹھا دیا گیا تاکہ مسجد میں رکوع سجود کا پاک نظارہ آنکھوں کے سامنے رہے آپ نے دیکھا کہ صفیں درست ہیں۔ اس جنت نگاہ نظارے نے چہرے کی زردی کو بشاشت سے بدل دیا اور

ہونٹوں پر پاک مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ آپ پھر ہمت کر کے اُٹھے۔ فجر کی نماز حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں ادا کی۔ حجرہ میں واپسی پر نزع کی حالت طاری ہو گئی۔ رنگ آنے جانے لگا۔ اور طبیعت کا اضطراب بڑھ گیا۔ اس حال میں فرمارہے تھے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اِنَّ لِلْمَوْتِ سَکَرَاتٌ اب آنکھوں کے آگے موت کا اندھیرا چھا گیا تو نورِ نظر فاطمہ سے فرمایا۔ باپ کو بچوں سے جُدا کرنے والی مرگ ہے۔ زہرا بتول رو دیں شفیق باپ نے بسترِ مرگ پہ پڑے ہوئے دستِ مبارک سے بیٹی کی آنسوؤں کو پونچھا فرمایا کہ نہیں رو نہیں۔

موت جس کا بھیانک تصور شیر دل کا زہرہ آب آب کر دیتا ہے روبرو ہے۔ مگر خدا کا فرستادہ درد و کرب کی شدت کے باوجود خلق خدا کی محبت کا خیال دل سے نہیں بھلاتا اور وقت آخر حضرت علی رض کو لونڈی غلام سے حسنِ سلوک کی نصیحت ہوتی ہے۔ فرمایا " علی لونڈی غلام کے بارہ میں خدا کو یاد رکھو۔ انہیں خوب کھلاؤ پہناؤ ان کے ساتھ ہمیشہ نرمی سے بات کرو"۔ جس کے قلب کی کائنات میں مخلوق کی محبت کی فراوانی نہیں وہ حسنِ ازل سے شاد کام کب ہو سکتا ہے۔ بسترِ مرگ پر کیا اچھا پیغام ہے کہ کمزور اور مجبور کی محبت سے دل کی دنیا کو آباد رکھو۔ کہیں ان کے شکستِ دل کی صدا فرش سے عرش پر جا پہنچے۔ مظلوم کی آہ بے اثر نہیں لوٹتی غلاموں کی حوصلہ فرسا مجبوریوں کا اثر قلبِ پیغمبر میں نہ ہو تو اور کس میں ہو آؤ ارباب احتیاج کمزور اور مجبور کے کام آنے کا جذبہ پیدا کریں کیونکہ کشور دل کے فرمانروا

آخری نبیؐ کا یہی آخری فرمان ہے۔

آفتاب رسالت ۶۳ برس کے بعد غروب ہوگیا۔ ایک عالم گواہ ہے کہ اُمّی نے علم کے دریا بہا دیئے اور اس کے فیضِ صحبت سے ذرے آفتاب بن گئے۔ سب سے اہم یہ کہ مسلمانوں کے عمل کی بنیاد جہد للبقا کے شر انگیز اصولوں پر نہ رکھی گئی بلکہ خدمتِ خلق ہی بہترین عمل قرار پائی۔

آؤ اب یثرب و بطحا کے امیر اور عرب کے آقا کی جائداد کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ حضور نے موت کے بعد زر و جواہر کے کتنے ڈھیر گھر میں چھوڑے کونہ کونہ چھان مارنے کے بعد سرورِ عالم کا سرمایہ کچھ نہ نکلا۔ نہ لونڈی نہ غلام نہ بھیڑ نہ بکری۔ سارے عرب کے بلا شرکت حکمران کا اثاث البیت بجز چند ہتھیاروں کے کچھ نہ تھا۔ ہادیِ برحق نے عمر بھر مبتلائے مصیبت رہ کر بنی نوعِ انسان کو غارِ مذلت سے نکالا آقائے عرب کی زندگی ہر مسلمان کے لیے مشعلِ ہدایت ہے اور ہر مومن کا فرض ہے کہ انسانیت کی تعمیر کے لیے اپنے اوقات کو وقف کر دے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ۝

زندگی

مصنفہ چودھری افضل حق صاحب سابق ممبر پنجاب لیجسلیٹو کونسل

جس کے متعلق مولانا ظفر علی خاں صاحب مدیر زمیندار لکھتے ہیں:-

جب سے افضل حق نے لکھی ہے کتاب زندگی
کھل گیا ہر ذی بصیرت پر معمائے حیات

حرف حرف اس کا ہے غوغائے باب زندگی
لفظ لفظ اس کا ہے ملت کیلئے درس عمل

کیوں نہ چھلکے بزم میں جام شراب زندگی
ساقی افضل حق ہے اور خمخانہ ہے احرار کا

پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی نے اس کو متفقہ طور پر بہترین تصنیف قرار دیکر فاضل مصنف کے لئے اول انعام تجویز کیا۔

آنریبل چودھری سر شہاب الدین کی رائے ادبی لحاظ سے اور مضامین کے لحاظ سے بھی میں نے آج تک کوئی بھی اس پایہ کی کتاب نہیں دیکھی۔

انقلاب: چودھری افضل حق صاحب صرف دریائے سیاسیات کے ہی شناور نہیں بلکہ نہایت اچھے انشاپرداز بھی ہیں آپکی انشاپردازی آجکل کے نوجوانوں کی نثر شاعری یا ادب لطیف نہیں بلکہ حسن ظاہری کے علاوہ افادی اعتبار سے بھی نہایت بلند پایہ واقع ہوئی ہے۔ آپکی تازہ تصنیف "زندگی" بعض اعتبار سے اس سال کی بہترین کتاب ہے حقیقت یہ ہے کہ چابکدست اور دردمند مصنف نے دلفریبی اور خلوص کیساتھ وہ مطالب بیان کردیئے ہیں جن سے حیات انسانی کی اصلاح اور ترقی کے راستے نکل سکتے ہیں۔ قیمت مجلد ۲ مطلا عہ تاج کمپنی لمیٹڈ ریلوے روڈ لاہور

شعور

مصنفہ چودھری افضل حق صاحب سابق ایم ایل سی

چودھری صاحب نے یہ ڈراما دیہاتی اصلاح کے سلسلہ میں لکھ کر آل انڈیا نمائش لاہور منعقدہ ۱۹۳۳ء ۱۹۳۴ء میں پیش کیا تھا۔ اور انہیں محکمہ اصلاح دیہات کی طرف سے اول درجہ کا انعام ملا تھا۔ ڈراما ایکٹ کرنے کے لئے پردوں کے اٹھنے اور سین ختم ہونے کے سلسلہ میں چند ضروری ترمیمیں سید امتیاز علی صاحب تاج نے شامل کیں اور یو۔پی گورنمنٹ نے اپنے آرڈر نمبر 198/34 P مورخہ $9\frac{12}{34}$ (ڈائرکٹر آف پبلسٹی) اسے خاص طور پر منظور فرمایا۔

اس ڈراما میں سوشل سروس۔ زراعت اور حفظِ صحت کے اصول نہایت دلچسپ طریق سے درج ہیں۔ سائز $\frac{۲۰\times۳۰}{۱۶}$ ۱۱۲ صفحات لکھائی چھپائی دیدہ زیب۔ کاغذ عمدہ۔ قیمت صرف ۶/

دنیا میں دوزخ ۱۲/ — فتنۂ ارتداد ۶/ — معشوقۂ پنجاب ۸/

تاج کمپنی لمیٹڈ ریلوے روڈ لاہور

الہامی افسانے

مصنفہ مرتضےٰ احمد خاں افغاں

قصصِ قرآنی کی ایک دلاویز تفسیر اور دلنشین توضیح دیکھنی ہو تو الہامی افسانے مطالعہ فرمائیے۔ اس کتاب میں قرآنی معارف کے موتی افسانوی انداز کی دلچسپیوں اور ادبی زبان کی رنگینیوں میں پرو دئے گئے ہیں۔ کتاب بیس سے زیادہ قصوں پر مشتمل ہے جن میں۔ سے متعدد قصّے حضرت ہابیلؑ قابیل۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت اسمٰعیلؑ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت یوسفؑ اور حضرت یُونس کے حالاتِ زندگی سے اخذ کئے گئے ہیں۔ باقی قصوں میں قومِ نوحؑ۔ قوم ثمودؑ۔ قومِ عادؑ۔ اہلِ مدین۔ قومِ لوطؑ۔ بنی اسرائیل اور دیگر اقوام کے عبرت انگیز حالات سپردِ قلم کئے گئے ہیں آخر میں ایک قصہ حضرتِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمتِ مسلمہ کے متعلق بھی درج ہے

یہ نرالی عمدہ اور دلچسپ تصنیف آقائے مرتضیٰ احمد خاں سے منسوب ہے۔ جو اُردو فارسی کے ادیبِ شہیر اور مسلم الثبوت مصنف ہیں۔ الہامی افسانے ان کا علمی ادبی و عرفانی شاہکار ہے۔ جس میں مصنف کے زورِ قلم اور جادو نگاری کا ثبوت جگہ جگہ ملتا ہے قرآنِ حکیم کے پُرانے قصص کو زبانِ اُردو کے لطیف ادبی پیرائے میں قلمبند کرنا اور حکمت آمیز و موعظت آموز بنانا آسان نہیں لیکن مصنف نے اس کٹھن کام کو جس عمدگی اور خوش اسلوبی سے نباہا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔

تاج کمپنی لمیٹڈ نے یہ کتاب خاص اہتمام سے شائع کی ہے۔ کتابت خوشنما اور طباعت بہت پاکیزہ ہے۔ چھاپہ سنگ میں اس جیسی دوسری کتاب مشکل نظر آئے گی۔ کاغذ بہت اچھا۔ تقطیع $\frac{22 \times 29}{16}$ انچ تعدادِ صفحات ۳۴۲ ہے۔

کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ جلد مضبوط ولایتی کپڑے کی۔ جس پر طلائی حروف میں کتاب کا نام وغیرہ منقوش ہے۔

قیمت۔ دو روپے

تاج کمپنی لمیٹڈ ریلوے روڈ لاہور

دینِ کامل (جلد اول)

مصنفہ مفتی سید عبدالقیوم صاحب وکیل

اس کتاب میں فاضل مصنف نے مذہب کی ضرورت۔ فطرت انسانی سے اس کا تعلق، فلسفہ ضمیر، فطری مذہب کی شناخت کے معیار۔ بعثتِ انبیاء کا مقصد۔ اختلاف مذاہب کے اسباب اور عام اصول اسلامی پر عالمانہ بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ عقلی، فطری اور الہامی اعتبار سے اسلام ہی بہترین مذہب ہے۔

فاضل مصنف نے بیان کیا ہے کہ انبیاء کرام اسلام ہی کے پیرو تھے۔ اور ان پر ایمان لانے والے مسلم ہیں۔ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نیا مذہب نہیں لائے۔ بلکہ کتب سابقہ کی تصدیق اور مذاہب ماضیہ کی تائید کے لیے تشریف لائے تھے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ۔

دین کامل کے متعلق علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کی رائے

دین کامل کی پہلی جلد کا میں نے بغور مطالعہ کیا ہے۔ کتاب نہایت اہم اور مفید مطالب پر حاوی ہے۔ مصنف کا طرز بیان ستھرا ہے اور مطالب کی ترتیب بھی نہایت عمدہ اور منطقیانہ ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کتاب کی اشاعت بہت نتیجہ خیز ہوگی۔

تہذیبِ عمل

عملی زندگی کی اصلاح کے لیے چند مفید مقالات

مصنفہ جناب ملک محمد باقر صاحب نسیم رضوانی ایم۔ اے

اصلاح معاشرت کے لیے یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوئی ہے۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ پہلا ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگیا۔ ہندوستان کا کوئی تعلیم یافتہ گھر اس سے خالی نہ رہنا چاہیے۔ قیمت ایک روپیہ

بالِ جبریل

ڈاکٹر سر محمد اقبال کے اردو کلام کا مجموعہ جو ۱۹۳۴ء میں نہایت آب و تاب کے ساتھ شائع ہوا۔ قیمت مجلد تین روپے

تاج کمپنی لمیٹڈ ریلوے روڈ لاہور

شیخ عنایت اللہ منیجر تاج کمپنی نے امرت الیکٹرک پریس ریلوے روڈ لاہور میں چھپوا کر شائع کیا!